بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آداب نماز

مؤلف

حضرت امام خمینی رضوان اللہ علیہ

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ

۲۴۔الفضل مارکیٹ۔اردو بازار۔لاہور

نام کتاب ______ آداب نماز

تالیف ______ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ

عربی حوالہ جات و تصحیح ______ مجاہد حسین حرّ

پروف ریڈنگ ______ خانم آر چوہدری

کمپوزنگ ______ قائم گرافکس۔ جامعہ علمیہ۔ ڈیفنس کراچی 0345-2401125

ناشر ______ مصباح القرآن ٹرسٹ۔ لاہور۔ پاکستان

تعداد ______ ایک ہزار (۱۰۰۰)

طبع ______ اوّل

قیمت ______ 500

ملنے کا پتہ

مصباح القرآن ٹرسٹ

۲۴۔ الفضل مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کی ان صدقاتِ جاریہ میں سے ہے جس سے لوگ تا قیامت استفادہ کرتے رہیں گے اور موصوف کے درجات عالیہ میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ مصباح القرآن ٹرسٹ نے تراجم و تفاسیر قرآن سے کام شروع کیا اور پھر ہر وہ کتاب جس کی ملت کو ضرورت تھی شائع کی انشاء اللہ العزیز شائع کرتی رہے گی۔

موجودہ کتاب ''آداب نماز'' امام خمینیؒ کی تالیف شدہ کتاب ہے اس کتاب میں نماز کے آداب کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد انسان نماز کی لذت کو اپنے جسم و رح میں محسوس کر سکتا ہے۔ اس کتاب میں احادیث کے عربی متن اعراب کے ساتھ رکھا گیا تا کہ طلاب و مقررین کرام اور خطبائے عظام کے لئے ایک سہولت ہو۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب انشاء اللہ آپ کو پسند آئے گی۔

یاد رہے کہ مصباح القرآن ایک خودمختار ادارہ ہے اس کے بانی محسن ملت مرحوم حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید صفدر حسین نجفیؒ تھے انہوں نے اس ادارہ کا ایک الگ ٹرسٹ تشکیل دیا تھا جو پہلے دن سے اپنے تمام اخراجات کا خود انتظام کرتا ہے۔

مصباح القرآن نے اپنی تمام کتابیں آپ کے استفادہ کے لئے انٹرنیٹ پر دے دی ہیں۔ ایڈریس ہے:

www.misbahulqurantrust.com

EMail: misbahulqurantrust@yahoo.com

قارئین کرام سے التماس ہے کہ اگر وہ اس کتاب میں کہیں خامی دیکھیں یا کمی محسوس کریں تو ہمیں مطلع ضرور فرمائیں ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔ ادارہ کی ترقی اور اس کے بانی محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کے طالب ہیں۔

ادارہ

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

تقریظ

از حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ شبیر میثمی

قرآن مجید اعلان کر رہا ہے کہ ''نماز فحشات و منکرات سے روکتی ہے''۔

ہم معاشرے میں دیکھتے ہیں کہ لوگ نماز تو پڑھتے ہیں لیکن معاشرے میں برائیاں موجود ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خداوند عالم کا اعلان نعوذ باللہ غلط ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے نماز کو چند اعمال کی ادائیگی اور اس اذکار کو صرف زبان پر جاری کرنے تک محدود سمجھ لیا ہے اور حقیقت نماز سے کوسوں دور ہیں خداند قدوس کی بارگاہ میں التماس ہے کہ وہ ہمیں حقیقی نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نماز کے آداب اور حقیقت کے موضوع پر امام خمینیؒ نے ایک کتاب بنام'' آداب نماز'' تالیف فرمائی تھی جو بعد اردو زبان میں ترجمہ ہو نشر و آثار امام خمینی سے کئی بار شائع ہو چکی ہے اس کتاب کی افادیت کی بنا پر مصباح القرآن ٹرسٹ نے اسے شائع کرنے کا اہتمام کیا تو معلوم ہوا کہ اس کتاب میں عربی عبارت کے اعراب اور حوالہ جات میں نواقص پائے جاتے ہیں زہرا اکیڈمی پاکستان کے محقق جناب مولانا مجاہد حسین حرّ صاحب نے اس کام انتہائی احسن طریقہ سے انجام دے کر کتاب کو ایک نئی شکل دے دی ہے۔

خداوند عالم موصوف کی توفیقات میں اضافہ اور مصباح القرآن ٹرسٹ کے بانی حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید صفدر حسین نجفی نور اللہ مرقدہ کی روح کو جوار معصومین علیہم السلام میں جگہ عنایت فرمائے اور اس ادارے کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ (آمین)

طالب دعا
شبیر میثمی

فہرست کتاب

مقالۂ ثانیہ

مقالۂ ثالثہ

حضرت امام خمینیؒ کا خط
حجۃ الاسلام والمسلمین حاج سید احمد خمینیؒ کے نام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کتاب آداب الصلوٰۃ کو،جس سے میں نے خود کوئی فائدہ نہیں اٹھایا سوائے ان گزرے ہوئے دنوں میں اپنے قسور وتقصیر پر افسوس کے جب مجھ میں خود سازی کی قوت موجود تھی اور زمانہ پیری میں علاوہ حسرت وندامت کے، جب ہاتھ خالی ہے، بارسنگین ہے، راہ بہت دراز ہے، قدموں میں چلنے کی طاقت نہیں اور آواز ''الرحیل'' کانوں سے ٹکرا رہی ہے، اپنے فرزند عزیز ''احمد'' کو ہدیہ کرتا ہوں جو قدرت جوانی سے کامیاب ہے، اس امکان اورامید کے ساتھ کہ انشااللہ وہ اس کتاب کے مضامین سے جو کتاب کریم اورسنت شریف اور بزرگوں کے افادات سے مرتب کی گئی ہے استفادہ کرے اوراہل معرفت کی راہنمائی میں معراج حقیقی کی راہ پالے اوراس ظلمت کدہ (مادیت) سے دل ہٹالے اورانسانیت کے اس اصلی مقصد کے حصول کی توفیق پائے،جس کا راستہ انبیائے کرام اوراولیائے عظام صلوات اللہ و سلامہ علیہم نے پایا اور دوسروں کو اس پر چلنے کی دعوت دیتے رہے۔

میرے بیٹے! تمہارا خمیر وجود اللہ کی بنائی ہوئی فطرت پر خلق ہوا ہے۔خود کو پہچانو! اورخود بینی وخودخواہی کی خوفناک موجوں کی گرداب ضلالت سے نجات حاصل کرو! اورسفینہ نوح پر، جو ولایت الٰہی کا پرتو ہے،سوار ہو جاؤ! کیونکہ "مَنۡ رَکِبَهَا نَجَا وَ مَنۡ تَخَلَّفَ عَنۡهَا هَلَكَ"[1] میرے بیٹے! کوشش کرو کہ صراط مستقیم پر، جو اللہ کا راستہ ہے، چاہے گرتے پڑتے چلو مگر چلو اور قلبی و قالبی حرکات وسکنات کو معنویت والوہیت کا رنگ دو اور خدمت اس لئے کرو کہ اسے اللہ نے پیدا کیا ہے، انبیائے عظام اور خدا کے خاص اولیاء، حالانکہ دوسروں کی طرح کاموں میں مشغول رہتے تھے، مگر کبھی دنیا (کے فریب) میں نہیں آئے، کیونکہ ان کی مشغولیت حق کے سبب سے اورحق کے لئے تھی۔

---

[1] شرح الاخبار فی فضائل الائمۃ الاطہار علیہم السلام/ ج ۲/ ۲۶۹/ [السیر علی خطی أمیر المؤمنین]..... ص:۲۶۸

اسی سلسلہ میں حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے، آپؐ نے فرمایا:

"لَیُغانُ عَلی قَلبِی وَ اِنّی لَاَستَغفِرُ اللّٰہَ فی کُلِّ یَومٍ سَبعِینَ مَرَّۃً".[1]

جس شخص کے دل پر گرد وغبار چھا جائے اسے چاہئے کہ ہر روز ستر مرتبہ استغفار کیا کرے۔

شاید کثرت میں رؤیت حق کو کدورت شمار فرماتے تھے۔

بیٹا! خود کو تیار رکھو کہ میرے بعد تم پر جفائیں ہوں گی اور جو رقابتیں لوگ مجھ سے رکھتے ہیں وہ تمہارے حساب میں شامل کر دیں گے۔ اگر تم نے اپنے خدا کے ساتھ اپنا حساب صاف رکھا اور ذکر خدا سے پناہ چاہی تو مخلوق کا خوف دل میں لانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ مخلوق کا حساب جلدی ختم ہو جانے والا ہے، جو حساب ازلی ہے وہ بارگاہ خدا میں حساب کے لئے پیشی ہے۔

میرے بیٹے! میرے بعد ممکن ہے کسی خدمت کی پیشکش تمہیں کی جائے۔ اگر تمہارا مقصد اسلام اور جمہوری اسلامی کی خدمت ہو تو رد نہ کرنا اور اگر خدانخواستہ نفسانی خواہشات اور ہوا و ہوس دنیا کے لئے ہو تو اس سے بچے رہنا، کیونکہ دنیاوی عزتیں اتنی قیمتیں نہیں رکھتیں کہ ان تک پہنچنے کے لئے خود کو تباہ کرو۔

بارالٰہا! احمد اور اس کے گھرانے اور متعلقین کو، جو تیرے بندے اور تیرے رسول اکرمؐ کا گھرانہ ہیں، دنیا و آخرت کی سعادتیں نصیب فرما اور شیطان ملعون کے ہاتھ کو انہیں نقصان پہنچانے سے روک دے۔

مالک! ہم کمزور اور نادار ہیں اور قافلہ سالکان سے پیچھے رہ گئے ہیں، تو خود ہماری دستگیری فرما۔

"رَبَّنا عامِلنا بِفَضلِكَ وَلا تُعامِلنا بِعَدلِكَ".[2]

والسلام علیٰ عباد اللّٰہ الصالحین۔

روح اللّٰہ الموسوی الخمینی

۲۳ ربیع الاول ۱۴۰۵ - ۲۵ آذر ۱۳۶۳

---

[1] کتاب الصلاۃ، ابواب الذکر، باب ۲۲، حدیث ۱

[2] "پروردگارا! ہم سے اپنے فضل کے ساتھ معاملہ کرنا، اپنے عدل کے ساتھ معاملہ نہ کرنا"

حضرت امام خمینیؒ کا خط
حجۃ الاسلام سید احمد خمینی کی اہلیہ کے نام

افسوس کہ ہنگام عبادت تو گیا
باقی ہیں گناہ، وقت طاعت تو گیا
کل یوم جزا توبہ جب آئے گی یاد
کہہ دیں گے ملک وقت ندامت تو گیا

کتاب ''آداب الصلواۃ'' جو میں اپنی پیاری بیٹی فاطی [۱] کو بطور تحفہ دے رہا ہوں [خدا اسے نماز گزاروں میں شمار کرے] اور اس کی تکمیل کو چالیس سال سے زیادہ ہورہے ہیں۔ اس سے چند سال پہلے میں نے کتاب ''سرالصلوٰۃ'' مکمل کی تھی۔ اسے بھی اب چالیس سال سے زیادہ ہو چکے ہیں۔ لیکن میں خود نماز کے اسرار کو پاسکا اور نہ آداب نماز کا حق ادا کر سکا۔ یافت اور ہے بافت کچھ اور، اورساخت اور ہے پرداخت کچھ اور! یہ کتاب مالک کی طرف سے اس بندۂ بے مایہ پر ایک حجت ہے اور میں خدائے تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں اس آیۂ شریفہ میں شامل ہوں جو کمر ہمت کو توڑنے والی ہے:

''یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ. كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ''. [۲]

اللہ کے نزدیک یہ بڑی ناراضی کی بات ہے کہ تم کہو ایسی بات جو کرو نہیں۔ بے شک خدا ان

[۱] فاطمہ طباطبائی، اہلیہ حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین الحاج سید احمد خمینیؒ۔

[۲] سورۂ یوسف، آیہ ۱، ۲

(مجاہدوں) کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں یوں صف بستہ ہو کر (پرا جما کر) جنگ کرتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

(ایسی صورت میں) اللہ کی رحمت واسعہ کے سوا کہیں پناہ نہیں ہے۔

اور تم اے میری بیٹی!

امید ہے کہ اس معراج عظیم کے آداب بجالانے کے لئے موفق رہو گی اور اس براق الٰہی کی راہنمائی میں نفس کے اندھیرے گھر سے ہجرت کر کے اللہ سے لو لگاؤ گی۔

میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں تا کہ ان اوراق کا مطالعہ تمہارے خواہشات نفسانی میں اضافہ کا سبب نہ بنے اور تمہیں اس کتاب کے لکھنے والے کہ طرح بازیچہ ابلیس ملعون نہ بننے دے۔

میری بیٹی!

ہر چند کہ خدا کا شکر ہے میں نے تم میں لطافت روحی پائی، جس کی وجہ سے امید یہی ہے کہ اللہ کی ہدایت تمہارے شامل حال رہے گی اور خدائے جل وعلا کی عنایت سے تم مادیات کے چاہ عمیق سے نجات پاؤ گی اور انسانیت کے صراط مستقیم کو پالو گی،

لیکن! شیطان اور اس سے بھی زیادہ خطرناک، نفس کے جال سے غافل نہ رہنا اور خدائے بزرگ کی پناہ مانگتی رہنا "أَنَّهُ رَحِيمٌ بِعِبَادِهِ"[1] بے شک وہی اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے۔

بیٹی! ان اوراق کے مطالعہ سے اگر خدانخواستہ کوئی نتیجہ حاصل نہ ہو، پھر بھی خودنمائی، مجلس آرائی اور سر جوڑ کر بیٹھنا، بہتر کہ ان چیزوں کے مطالعہ سے احتراز کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری طرح ایک دن تمہیں بھی پچھتانا پڑے اور اگر انشا اللہ تم نے خود کو ان مطالب سے، جو کتاب وسنت، احادیث اہل بیت عصمتؑ اور افادات اہل معرفت سے اخذ کئے گئے ہیں، جی جان سے استفادہ کرنے پر آمادہ کر لیا اور اپنی طبیعت کی اس لطافت واستعداد سے کام لیا جو خدا نے تمہیں عطا فرمائی ہے۔ تو بسم اللہ! یہ ہے گنبد اور یہ ہے میدان!!

امید ہے کہ اس معراج انسانی اور معجون رحمانی میں مشغول ہو کر دل کو غیر اللہ سے خالی رکھو گی اور آب حیات سے دل کو دھولو گی اور چار تکبیریں کہہ کر خود کو خودی سے آزاد کر لو گی تا کہ دوست تک رسائی ہو سکے۔

---

[1] بحار الأنوار (ط-بيروت) / ج89/ 250/باب 29 فضل سورة الفاتحة و تفسيرها و فضل البسملة و تفسيرها و كونها جزءا من الفاتحة و من كل سورة و فيه فضل المعوذتين أيضا..... ص: 223

"وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا"[1]

اور جو شخص اپنے گھر سے خدا اور رسول (ص) کی طرف ہجرت کے ارادہ سے نکلے پھر اسے موت آجائے، تو اس کا اجر وثواب اللہ کے ذمہ ہوگیا۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

بار الہا! ہمیں مہاجر الی اللہ و رسولہ قرار دے اور فنا تک پہنچادے اور فاطی و احمد کو توفیق خدمت عطا کر اور انہیں سعادت وخوش بختی تک پہنچادے۔

والسلام

روح اللہ الموسوی الخمینی

۲ صفر المظفر ۱۴۰۵ھ

---

[1] سورۂ نساء/۱۰۰

قال امیر المومنین علیہ السلام:

أُوصِيكُمْ بِالصَّلَاةِ هِيَ الَّتِي عَمُودُ الدِّينِ وَ قِوَامُ الْإِسْلَامِ فَلَا تَغْفُلُوا عَنْهَا.[1]

میں تمھیں نماز کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ دین کا ستون اسلام کا مضبوط قلعہ ہے اس سے غفلت نہ برتنا۔

---

[1] بحار الأنوار (ط - بیروت) / ج 79 / 232 / باب 1 فضل الصلاۃ وعقاب تارکہا..... ص: 188

مقدمۂ مؤلف

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ. وَ صَلَّی اللهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ الطَّاهِرِیۡنَ وَ لَعۡنَةُ اللهِ عَلٰی اَعۡدَآئِهِمۡ اَجۡمَعِیۡنَ مِنَ الۡاٰنِ اِلٰی قِیَامِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ.

خداوندا! ہمارا قدم سیر تیری بارگاہ قدس تک پہنچنے سے عاجز ہے اور ہمارا دست طلب تیرے دامن انس تک جانے سے قاصر، شہوت وغفلت کے حجابوں نے ہماری بصیرت کو تیرے جمال جمیل سے محجوب کر دیا ہے اور حب دنیا اور شیطنت کے سیاہ پردوں نے ہمارے دلوں کو تیرے عز جلال کی طرف توجہ سے مہجور بنا رکھا ہے، راہ آخرت باریک ہے اور طریق انسانیت (تلوار کی دھار کی طرح) تیز اور ہم بے چارے (کمزور ہونے کے باوجود) گوشت خوری اور لذات دنیا کی فکر میں غلطاں ہیں۔ ہم ایسے حیرت زدہ ہیں کہ ریشم کے کیڑے کی طرح خواہشوں اور امیدوں کے تارا پنے اوپر تنتے ہوئے اور عالم غیب اور محفل انس سے یکسر نظریں پھرائے ہوئے ہیں۔ (ایسی حالت میں نجات کا راستہ کوئی نہیں) سوائے اس کے کہ تو ہی بارگاہ الٰہیہ سے ہمارے دل کی آنکھوں کو روشنی بخشے اور کسی غیبی چنگاری سے ہمیں خود سے بے خود بنادے۔

"إلهی هَبۡ لی کَمالَ الۡانۡقِطاعِ إلَیۡكَ وَ أَنِرۡ أَبۡصارَ قُلُوبِنا بِضیاءِ نَظَرِها إلَیۡكَ حَتّی تَخۡرِقَ أَبۡصارُ الۡقُلُوبِ حُجُبَ النُّورِ فَتَصِلَ إلی مَعۡدِنِ الۡعَظَمَةِ وَ تَصیرَ أرۡواحُنا مُعَلَّقَةً بِعِزِّ قُدۡسِكَ"۔[1]

بار الٰہا! دنیاوی متعلقات سے خود تیری اپنی ذات کی طرف توجہ کے لئے مجھے کمال قطع تعلق عنایت فرمایا اور ہمارے دلوں کی آنکھوں تیری اپنی ذات کی طرف دیکھنے کے نور سے روشن کردے تاکہ دل کی آنکھیں نور کے

---

[1] مناجات شعبانیہ، بحار الانوار، جلد ۹۱، ص ۹۹

پردوں کو چاک کر کے تیری عظمت و جلال کے خزانے تک پہنچ جائیں اور ہماری روحیں تیری عزت قدس سے معلق ہو جائیں۔

اما بعد، اب سے چند روز پہلے میں نے ایک رسالہ [1] مرتب کیا تھا جس میں مقدور بھر اسرار صلاۃ درج کئے تھے، لیکن چونکہ اس رسالہ کو عوام کے احوال سے کوئی مناسبت نہیں ہے اس لئے میں نے سوچا کہ اس معراج روحانی کے کچھ قلبی آداب ضبط تحریر میں لاؤں، شاید برادران ایمانی کے لئے موجب تذکر اور میرے بے رحم دل کے لئے باعث تاثر ہو۔ خدائے تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں تا کہ وہ مجھے تصرف شیطان اور حصول خذلان سے بچائے۔ "**انه ولی قدیر**" (وہی صاحب قدرت سرپرست ہے)۔

اس کتاب کو میں نے ایک مقدمہ، چند مقالات اور ایک خاتمہ پر ترتیب دیا ہے۔

---

[1] کتاب سر الصلواۃ (معراج السالکین وصلوٰۃ العارفین) کی طرف اشارہ ہے۔ جناب مؤلف قدس سرہ الشریف نے حمد وصلوٰۃ ودعا کے بعد یوں تحریر فرمایا ہے: ''وبعد، اس سرگشتہ حیرت و جہالت، وابستہ تعلقات انیّت و انانیت، سرگرم بادہ خودی وخود پرستی، مقامات معنویہ وملک ہستی سے بے خبر نے خلوص کے ساتھ ارادہ کیا کہ اس روحانی سلوک اور ایمانی معراج میں اولیائے عظام کے چند روحانی مقامات کو رشتہ تحریر میں لاؤں۔۔۔۔'' اس کتاب شریف کی تالیف کا اختتام ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۵۸ ھجری قمری کو ہوا جو ۱۹ خرداد ۱۳۱۸ ہجری شمسی کے مطابق تھی۔

مقدمۂ کتاب

یادرکھنا چاہئے کہ نماز کی عام ظاہری صورت کے علاوہ ایک معنوی صورت ہے اوراس ظاہر کے علاوہ ایک باطن ہے اورجس طرح ظاہر کے آداب ہیں، جن کا لحاظ نہ رکھنے سے یا نماز باطل ہو جاتی ہے یا ناقص رہ جاتی ہے۔ (اور شکیات وسہویات کے احکام پرعمل کر کے اس کی تکمیل کرنا پڑتی ہے) اسی طرح باطن کے بھی قلبی و باطنی آداب ہیں جن کا لحاظ نہ رکھنے سے نماز معنوی باطل یا ناقص رہتی ہے اوران کا لحاظ رکھنے سے نماز میں روح ملکوتی پیدا ہوتی ہے اورممکن ہے کہ باطنی قلبی آداب کا لحاظ رکھنے کی صورت میں نماز گزار کو اہل معرفت اور اصحاب قلوب کی نماز کا الٰہی رمز حاصل ہو جائے جو اہل سلوک کی آنکھوں کی ٹھنڈک [۱] اورمعراج قرب محبوب کی حقیقت ہے [۲]۔

یہ جو کچھ بیان کیا گیا کہ نماز کا ایک باطن اورصورت غیبیہ ''ملکوتیہ'' ہے، علاوہ اس کے کہ برہان کی ایک ضرب کے موافق اور اصحاب سلوک و ریاضت کے مطابق ہے، قرآنی آیات اور بے شمار عام اور خاص احادیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ ہم بطور تبرک کچھ آیات واحادیث سے ان اوراق کو آراستہ کرتے ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے:

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا. [۳]

''وہ دن جب ہر شخص اپنے عمل خیر کو حاضر دیکھے گا اور چاہے گا کہ اس برے عمل کے درمیان

۱۔ بعض روایات کی طرف اشارہ ہے کہ جن میں ایک یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''جعل قرة عيني في الصلوة''، فروع کافی، جلد ۵، ص ۳۲۱، کتاب النکاح، باب حب النساء، حدیث ۷۔

[۲] حضرت رسالتمآبؐ کی ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''الصلوة معراج المؤمن''، اعتقادات مرحوم علامہ مجلسی، ص ۲۹۔

[۳] سورۂ آل عمران/ ۳۰

جو اس نے کیا دور دراز فاصلہ ہوتا''۔

اس دن کو یاد کرو جب ہر شخص اس بھلائی کو اپنے سامنے پائے گا جو اس نے کی ہوگی۔ اور برائی کو بھی (جنہیں دیکھ کر) خواہش کرے گا کہ کاش اس کے اور اس کے برے اعمال کے درمیان بڑا فاصلہ ہوتا۔

آیۂ مبارکہ بتاتی ہے کہ ہر شخص اپنے اچھے اور برے اعمال کو حاضر دیکھے گا اور اس کی صورت باطنیہ ''غیبیہ'' کا مشاہدہ کرے گا۔

چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

"وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا" [1]

جو کچھ انہوں نے کیا اسے حاضر دیکھیں گے۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

"فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ. وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ." [2]

جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس (کی جزا) دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ بھی اس (کی سزا) کو دیکھ لے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس اعمال کا مشاہدہ کرے گا۔

احادیث شریفہ اس مقام پر اس قدر ہیں کہ یہ صفحات ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ ہم کچھ کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں

وسائل میں اسناد کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى الصَّلَوَاتِ الْمَفْرُوضَاتِ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا فَأَقَامَ حُدُودَهَا رَفَعَهَا الْمَلَكُ إِلَى السَّمَاءِ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً وَ هِيَ تَهْتِفُ بِهِ حَفِظَكَ اللهُ كَمَا حَفِظْتَنِي وَ اسْتَوْدَعَكَ اللّٰهُ كَمَا اسْتَوْدَعْتَنِي مَلَكاً كَرِيماً وَ مَنْ صَلَّاهَا بَعْدَ وَقْتِهَا مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ فَلَمْ يُقِمْ حُدُودَهَا رَفَعَهَا الْمَلَكُ سَوْدَاءَ مُظْلِمَةً وَ هِيَ تَهْتِفُ بِهِ ضَيَّعْتَنِي

---

[1] سورۂ کہف/۴۹

[2] سورۂ زلزال/۷

ضَيَّعَكَ اللّٰهُ كَمَا ضَيَّعْتَنِي وَلَا رَعَاكَ اللّٰهُ كَمَا لَمْ تَرْعَنِي.[1]

جو شخص واجب نمازوں کو اول وقت ادا کرتا ہے اور ان کے حدود کی حفاظت کرتا ہے، فرشتہ ایسی نماز کو سفید اور پاکیزہ شکل میں آسمان پر لے جاتا ہے۔ نماز (نماز گزار سے) کہتی ہے "خدا تیری محافظت کرے جس طرح تو نے میری محافظت کی۔ تو نے مجھے ایک بزرگ فرشتے کے حوالے کیا۔" اور جو شخص بے سبب نماز میں تاخیر کرتا ہے اور اس کے حدود کی محافظت نہیں کرتا، فرشتہ اس کی نماز کو سیاہ اور تاریک شکل میں آسمان پر لے جاتا ہے اور نماز بلند آواز میں (نماز گزار سے) کہتی ہے "تو نے مجھے ضائع کیا، خدا تجھے اسی طرح ضائع کرے جیسے تو مجھے ضائع کیا ہے اور خدا تیرے ساتھ اسی طرح رعایت نہ کرے جس طرح تو نے میرے ساتھ رعایت نہیں کی"

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کو فرشتے اوپر آسمان پر لے جاتے ہیں یا پاکیزہ اور سفید شکل میں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب اول وقت ادا ہوئی ہو اور آداب نماز کا لحاظ رکھا ہو، اس صورت میں نماز مصلّی کے لئے دعائے خیر کرتی ہے، اور یا تاریک اور سیاہ شکل میں، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب نماز کی ادائیگی میں بغیر کسی عذر کے تاخیر کرے اور اس کے حدود کا لحاظ نہ رکھے، اس صورت میں نماز اس پر نفرین کرتی ہے۔

یہ حدیث علاوہ اس کے کہ نماز کی غیبی ملکوتی صورتوں کو بتاتی ہے، نماز کی حیات پر بھی دلالت کرتی ہے، جب کہ اس پر برہان بھی قائم ہے اور آیات واخبار بھی یہی بتاتی ہیں۔ چنانچہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

"وَإِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ"۔[2]

"یقیناً سرائے آخرت (حقیقی) زندگی (کی سرائے) ہے"۔

مذکورہ حدیث کے مضمون کے مطابق اور بھی احادیث ہیں، مگر اختصار کے خیال سے ہم اس پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ

جب بندۂ مومن قبر میں داخل ہوتا ہے تو نماز اس کے داہنی جانب اور زکات بائیں جانب ہوتی ہے اور اس کی نیکی اس پر سایہ کئے ہوتی ہے اور صبر ایک گوشہ میں ہوتا ہے، جب وہ دو فرشتے

[1] الامالی (للصدوق) / النص / 256 / المجلس الرابع والاربعون
[2] سورۂ عنکبوت / ۶۴

آتے ہیں جو سوال پر موکل ہیں اس وقت صبر، نماز، زکات اور نیکی سے کہتا ہے "اپنے رفیق کی مدد تمہاری ذمے داری ہے اور اگر تم مدد کرنے سے عاجز ہو تو میں اس کے ساتھ موجود ہوں۔[1]

اس حدیث شریف کو کافی میں دو طریقوں سے نقل کیا گیا ہے اور شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے ثواب الاعمال میں اسے روایت کیا ہے۔ واضح ہے کہ یہ حدیث اعمال کی غیبی اور برزخی صورتوں اور ان کی حیات اور ان کے شعور پر دلالت کرتی ہے۔

اور قرآن کے ملکوتی صورت اختیار کرنے، اسی طرح نماز کے ملکوتی صورت اختیار کرنے کے بارے میں کثرت سے حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ نماز اور تمام عبادات کے لئے ان آداب صوریہ کے علاوہ کچھ آداب قلبیہ ہیں جن کے بغیر یا تو نماز ناقص رہ جاتی ہے یا اصلا مقبول بارگاہ نہیں ہوتی۔ اس کتاب کے صفحات میں آداب قلبیہ کے شمار کے وقت ذکر کیا جائے گا انشاء اللہ۔

اس مقام پر جو بات جاننے کی ہے وہ یہ ہے کہ صورت وقشر نماز پر اکتفا کرنا اور اس کے باطنی کمالات و برکات سے محروم رہنا، جو ابدی سعادتوں کا موجب بلکہ جوار رب العزت کا باعث اور محبوب مطلق کے وصال کے مقام تک بلندی حاصل کرنے کا وہ زینہ ہے، جو اولیاء کی امیدوں کی انتہا اور اصحاب معرفت و ارباب قلوب کی آخری آرزو ہے، بلکہ سید مرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خنکی چشم ہے [2]

نقصان و زیاں کاری کا وہ آخری درجہ ہے جو اس عالم سے نکلنے اور محاسبہ الٰہیہ میں وارد ہونے کے بعد ایسی حسرتوں کا موجب ہوگا جن کے ادراک سے ہماری عقل عاجز ہے۔ ہم جب تک عالم ملک کے حجاب اور مادیات کے پردہ میں ہیں اس عالم کا ادراک نہیں کر سکتے اور (اس عالم میں رہ کر اس عالم کے بارے میں سوچنا ایسا ہی ہے جیسے) بہت دوور سے آگ پر ہاتھ رکھ رہے ہوں (جس آگ کی حرارت کا واقعی ادراک نہیں کیا جا سکتا ہے)۔ اس سے زیادہ کون سی حسرت و ندامت ہوسکتی ہے اور اس نقصان سے بڑا کونسا نقصان ہوسکتا ہے کہ جو چیز انسان کے کمال و سعادت کا وسیلہ اور قلبی نقائص کے درد کی دوا ہے اور حقیقت میں انسان کی صورت کا کمالیہ ہے، ہم چالیس پچاس سال اس کے لئے

---

[1] اصول کافی، ج ۳، ص ۱۴۳، کتاب الایمان والکفر، باب الصبر، حدیث ۸، ثواب الاعمال، ص ۲۰۳، ثواب الصلوۃ والزکرۃ ولابر والصبر، حدیث ۱۔"

[2] روضۃ الواعظین وبصیرۃ المتعظین (ط۔القدیمۃ) / ج ۲ / ص: ۳۷۳

زحمتیں اٹھانے کے بعد اس سے کسی قسم کا روحانی فائدہ نہ حاصل کر سکیں اور آسانی سے وہ وسیلہ سعادت، قلبی کدورت اور حجاب ظلمت بن جائے اور جو سید المرسلینؐ کی خنکی چشم ہے وہی ہماری بصیرت کی کمزوری کا سبب ہوجائے۔

يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ۔[1]

ہائے افسوس! میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا کی جناب میں کی۔

لہٰذا اے عزیز! دامن ہمت سے کمر کو باندھ لو، دست طلب، بڑھاؤ اور کتنی ہی زحمت و پریشانی اٹھانا پڑے اپنے حالات کی اصلاح کرو، اہل معرفت کی نماز کے روحانی شرائط کی تحصیل کرو اور اس معجون الٰہی سے جو حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کشف تام سے حاصل ہوا ہے، استفادہ کرو اور خود کو جب تک موقع ہے، اس ظلمت وحسرت وندامت کی منزل اور ربوبیت کے مقدس صحن سے دوری کے گہرے کنویں سے نکالو اور اپنے آپ کو معراج کمال اور قرب وصال تک پہنچاؤ، کیونکہ اگر یہ وسیلہ ہاتھ سے نکل گیا تو دوسرے وسائل بھی خود بخود منقطع ہوجائیں گے۔

"إِنْ قُبِلَتْ قُبِلَ مَا سِوَاهَا وَإِنْ رُدَّتْ رُدَّ مَا سِوَاهَا"۔[2]

اگر نماز قبول کر لی گئی تو کل اعمال قبول کر لئے جائیں گے اور اگر نماز رد کر دی گئی تو دوسرے اعمال بھی رد کر دیئے جائیں گے۔

ہم اس سلوک روحانی کے آداب باطنیہ کو جتنا آسان اور جیسا موقع ومحل ہوگا بیان کریں گے، شاید کسی صاحب ایمان کو ان آداب میں سے کچھ نصیب ہوجائے اور یہی نصیب، شاید اس پسماندۂ طریق سعادت و انسانیت اور اسیر زندان مادیت و انانیت کے لئے رحمت الٰہی اور توجہ غیبی کا سبب بن جائے۔

انه ولیّ الفضل والعنایة

---

[1] سورۂ زمر/۵۶

[2] فلاح السائل، ص ۱۲۷، بہ نقل از من لایحضر الفقیہ، منبع اخیر، میں روایت یوں ہے ''أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ عَلَى الصَّلَاةِ فَإِذَا قُبِلَتْ قُبِلَ مِنْهُ سَائِرُ عَمَلِهِ وَإِذَا رُدَّتْ عَلَيْهِ رُدَّ عَلَيْهِ سَائِرُ عَمَلِهِ.'' ج ۱، فضل الصلوة، باب ۳۰، حدیث ۵۔

قال امیر المومنین علیہ السلام:

أُوصِيكُمْ بِالصَّلَاةِ وَ حِفْظِهَا فَإِنَّهَا خَيْرُ الْعَمَلِ وَ هِيَ عَمُودُ دِينِكُمْ.[1]

میں تمہیں نماز کی وصیت کرتا ہوں اس کی حفاظت کرنا کیونکہ یہ بہترین عمل ہے اور یہی دین کا ستون ہے۔

---

[1] الأمالی (للطوسی)/ النص/ 522/ [18] المجلس الثامن عشر

مقالۂ اولیٰ

وہ آداب جو نماز، بلکہ تمام عبادات ومناسک کے تمام حالات میں لازم ہیں

اس میں چند فصلیں ہیں

فصل اول

عزت ربوبیّت اور ذلت عبودیّت

سالک طریق آخرت کے باطنی وظائف اورعبادات کے قلبی آداب میں سے ایک وظیفہ اورایک ادب اس بات کی طرف توجہ کہ عزت ربوبیت کے لئے ہے اور ذلت عبودیت کے لئے۔ یہ توجہ سالک کی اہم منزلوں میں سے ایک منزل ہے، کیونکہ سلوک کی قوت اسی توجہ کی قوت کے برابر ہوتی ہے، بلکہ انسانیت کا کمال اور نقص اسی کے کمال اورنقص کا تابع ہے اورجیسے جیسے انیت وانانیت اورخود بینی وخودخواہی انسان میں غلبہ کرتی جاتی ہے ویسے ویسے انسان کمال انسانیت سے دوراورقرب ربوبیت سے مہجور ہوتا جاتا ہے اورخود بینی وخود پرستی کا حجاب ہرقسم کے حجابوں سے دبیز تر اورتاریک تر ہے اوراس حجاب کو چاک کرنا تمام حجابوں کے چاک کرنے سے زیادہ مشکل اورتمام ہی حجابوں کے چاک کرسکنے کا مقدمہ ہے، بلکہ غیب وشہادت کی کنجیوں کہ کنجی اورکمال روحانیت کی طرف عروج کا باب الابواب (خود بینی و خود پرستی کے پردہ کا چاک ہونا) ہے۔ جب تک انسان صرف اپنی خودی اوراپنے کمال و جمال کے وہم میں کھویا رہے گا، جمال مطلق وکمال صرف کے مشاہدہ سے محجوب ومہجور رہے گا۔

سلوک الیٰ اللہ کی پہلی شرط اس منزل سے نکل جانا ہے، بلکہ ریاضت حق اور ریاضت باطل کو پرکھنے کا یہی معیار ہے۔لہٰذا جو سالک انانیت وخود بینی کے قدموں سے اور انیت وخود بینی وخودخواہی کے حجابوں میں رہ کرسلوک کی منزل طے کرتا ہے اس کی ریاضت باطل ہے اوراس کا سلوک اللہ کی طرف نہیں، بلکہ نفس کی طرف ہے ''مادربت یا بت

نفس شناست"[۱]

ارشاد پروردگار عالم ہے:

"وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ"[۲]

جو شخص اپنے گھر سے اس حال میں نکلے کہ وہ خدا و رسولؐ کی طرف ہجرت کر رہا ہو اور اس حالت میں اسے موت آجائے تو اس کا اجر وثواب اللہ پر ہے۔

ہجرت صوری اور صورت ہجرت سے مراد جسم کے ساتھ منزل صوری سے کعبہ یا اولیاء کے مشاہد و مقابر کی طرف جانا ہے اور ہجرت معنوی بیت نفس اور منزل دنیا سے اللہ اور رسولؐ کی طرف نکلنا ہے۔ رسولؐ اور ولی کی طرف ہجرت بھی اللہ ہی کی طرف ہجرت ہے اور جب تک نفس کو اپنی خودی سے ذرا بھی تعلق اور انیت کی طرف کچھ بھی توجہ ہے وہ مسافر نہیں کہا جاسکتا اور جب تک سالک کی نظر میں بچی کچی انانیت باقی ہے اور خودی کے شہر کی دیواریں اور خودخواہی کے اظہار کی آواز اذان کانوں میں آنا بند نہیں ہو جاتی تب تک اسے مسافر و مہاجر نہیں کہا جاسکتا، بلکہ وہ حالت حضر میں ہے۔

مصباح الشریعہ میں ہے، امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"العبودية جوهرة كنهها الربوبية فما فقد من العبودية وجد في الربوبية، و ما خفي في الربوبية أصيب في العبودية. قال الله"[۳]

بندگی ایسا جوہر ہے جس کا باطن ربوبیت ہے۔ لہٰذا جس قدر بندگی حاصل نہیں ہوسکی ہے وہ ربوبیت میں موجود ہے اور جس قدر ربوبیت مخفی رہ جائے وہ بندگی میں حاصل ہو جاتی ہے۔

---

[۱] ما در بت ہا بت نفس شناست
زانکہ آن بت مار و این بت اژدہا ست
مولانا رومی
سب بتوں کی ماں تمہارا نفس ہے
کیونکہ وہ سانپ ہے اور یہ اژدھا ہے

[۲] سورۂ نساء/۱۰۰)

[۳] مصباح الشریعہ، فی حقیقۃ العبودیۃ، باب ۱۰۰۔

جو شخص عبودیت کے قدموں سے سیر کرتا ہے اور ذلت بندگی کا داغ اپنی پیشانی پر لگا تا ہے وہ عزت ربوبیت تک پہنچنے کی راہ پیدا کر لیتا ہے۔ حقائق ربوبیت پہنچنے کا طریقہ مدارج عبودیت میں سیر کرنا ہے اور عبودیت میں جس قدر انیت و انانیت مفقود ہوتی جاتی ہے اسی قدر ربوبیت کی حمایت کے سائے میں ان (حقائق ربوبیت) کو پاتا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ حق تعالیٰ اس کی سماعت و بصارت اور اس کا ہاتھ اور پیر ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ فریقین کے درمیان مشہور حدیث میں وارد ہوا ہے[1]

بندہ جب اپنے ذاتی تصرفات سے گزر جائے گا اور اپنے وجود کی سلطنت کو یکسر سپرد حق کردے گا اور گھر کو گھر کے مالک کے حوالہ کردے گا اور خود عزت ربوبیت میں فنا ہو جائے گا، صاحب خانہ خود امور میں تصرف کردے گا، تو اس کے تصرفات، تصرفات الٰہی ہوجائیں گے، اس کی آنکھ خدا کی آنکھ ہوجائے گی اور چشم حق سے دیکھنے لگے گی، اس کے کان االلہ کے کان ہوجائیں گے اور گوش حق سے سننے لگیں کے اور جس قدر نفس کی ربوبیت کامل ہوتی جائے گی اور اس کی عزت منظور نظر ہوگی عزت ربوبیت کے مقابلے میں اسی قدر شکستہ اور ناقص ہوتی جائے گی، کیوں یہ دونوں (ربوبیت نفس اور ربوبیت الٰہی) ایک دوسرے سے متقابل ومتضاد ہیں۔

"الدُّنيا وَ الْآخِرَةُ ضَرَّتان."[2]

دنیا وآخرت ایک دوسرے کی سوکنیں ہیں۔

لہٰذا سالک الی اللہ کے لئے ضروری ہے کہ خود کو حقیر و ناچیز سمجھے اور ذلت عبودیت اور عزت ربوبیت کو اپنا نصب العین بنائے۔ یہ نصب العین جتنا قوی ہوتا جائے گا عبادت اسی قدر زیادہ روحانی ہوتی جائے گی اور روح عبادت زیادہ سے زیادہ قوی، یہاں تک کہ دستگیری حق اور اولیائے کاملین علیہم السلام کی مدد سے اگر عبودیت کی حقیقت تک پہنچ سکا تو ایک لمحہ کی عبادت کا راز پالے گا اور تمام عبادات میں، خصوصاً نماز میں جو جامعیت کا رخ رکھتی ہے اور عبادات میں اس کی منزل انسان کامل جیسی ہے اور اسم اعظم کا مقام رکھتی ہے بلکہ خود اسم اعظم ہے۔ یہ دومقام، مقام عزت ربوبیت کہ حقیقت ہے اور مقام ذلت عبودیت جو اس کا رقیقہ ہے، ہی مرموز ہیں۔

اعمال مستحبہ میں ''قنوت'' اور اعمال واجبہ میں ''سجدہ'' کو ایک خصوصیت حاصل ہے جس کی طرف بعد میں

---

[1] روایت ''قرب نوافل'' کی طرف اشارہ ہے "وَإِنَّهُ لَيَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّافِلَةِ حَتَّى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَلِسَانَهُ الَّذِي يَنْطِقُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا إِنْ دَعَانِي أَجَبْتُهُ وَإِنْ سَأَلَنِي أَعْطَيْتُه" اصول کافی، ج ۴، ص ۵۳، کتاب الایمان الکفر، باب من اذی المسلمین امتقرهم، روایت ۷، ۸۔

[2] ''عوالی اللئالی، ج ۱، ص ۲۷۷، و ج ۴، ص ۱۱۵، اور نہج البلاغہ فیض الاسلام، حکمت ۱۰۰''

انشااللہ ہم اشارہ کریں گے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ عبودیت مطلقہ انسانیت کے بلند ترین مراتب کمال اوررفیع ترین مقامات میں سے ہے اور اصلی طور پر کامل ترین خلق خدا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کے اتباع میں دوسرے اولیاء کاملین کے علاوہ کسی اور کااس مرتبہ ومقام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ دوسروں کا پائے عبودیت عاجز اوران کی عبادت و بندگی بیمار ہے اورقدم عبودیت کے بغیر معراج حقیقی مطلق تک پہنچنا ناممکن ہے۔ اسی لئے آیۂ مبارکہ میں ارشاد ہے "سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ"[1] (پاک ہے وہ جس نے اپنے بندہ کو سیر کرائی) بندگی کے قوم اور بوبیت کی کشش نے اس ذات مقدس کو معراج قربووصول تک سیر کرائی۔

نماز کے تشہد میں جو اس فنائے مطلق سے واپسی ہے جو سجدہ میں حاصل ہوئی تھی، پھر رسالت کی طرف توجہ سے پہلے عبودیت کی طرف توجہ کرنا ہوتی ہے اورممکن ہے کہ یہ توجہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ مقام رسالت بھی حقیقی عبودیت کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ اس مفہم کی ایک طوفلانی ہے جس کا بیان اس کتاب کے مقصد تحریر سے ہے۔

---

[1] سورۂ اسراء/۱

فصل دوم

مقامات اہل سلوک کے مراتب

اہل سلوک کے اس مقام عبودیت اوردسرے تمام مقامات کے بے شمار مدارج و مراتب ہیں۔ہم بعض مراتب کا بطور کلی ذکر کرتے ہیں، کیونکہ تمام پہلوؤں کا احاطہ اور تمام مراتب کا احصاء ہماری ذمہ داری سے (اس کتاب کے اختصار کے مقصد کے پیش نظر) باہر ہے۔

الطُّرُقُ اِلَى اللّٰهِ بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ.[1]

مخلوقات کی سانسوں کی برابر اللہ کی طرف جانے کی راہیں ہیں۔

علوم عالیہ اورحکمت متعالیہ میں یہ واضح ہو چکی ہے کہ خانہ ہستی اور دائرہ وجود کل کا کل صرف باہمی ربط وتعلق اورفقرو فاقہ ہے۔عزت اور ملک وسلطنت صرف ذات پاک کبریا کے لئے ہے۔اس کے سوا کسی اورکوعزت و کبریائی سے کچھ نصیب نہیں۔اس کے علاوہ عبودیت کی ذلت اورفقر واحتیاج ہر ایک کی پیشانی پرثبت اور ہر ایک کی اصل حقیقت میں ثابت وموجود ہے۔یہی عرفان وشہود کی حقیقت ہے اور یہی ریاضت وسلوک کا نتیجہ کہ حقیقت کے چہرے سے حجاب ہٹیں اورعبودیت اور اصل فقر کی ذلت خود میں اورتمام موجودات میں نظر آئے۔سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب

[1] پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب حدیث ہے۔جامع الاسرار ومنبع الانوار، سید حیدر آملی، ص ۸، ۹۵، ۱۲۱،گلشن راز، پرشرح لاہیجی، ص ۱۵۳، نقد النصوص، ص ۱۸۵،منہاج الطالبین، ص ۲۲۱، الاصول العشرہ، ص ۲۱۔

دعا "اَللّٰھُمَّ أَرِنِي الْاَشیاءَ کَما هِي"[۱] (خدایا! اشیاء (اورامور) جیسے وہ ہیں، مجھے دکھا۔) شاید اس مقام کی طرف اشارہ ہے یعنی ذلت عبودیت کے مشاہدہ کی آرزو جس سے لازمی طور پر عزت ربوبیت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر راہ حقیقت کا سالک اور طریق عبودیت کا مسافر سلوک علمی کے قدم سے اور سیر فکری کی سواری پر اس منزل کو طے کرلے "حجاب علم" میں پہنچ جاتا ہے اور انسانیت کے پہلے مقام کو پالیتا ہے۔

لیکن یہ حجاب بہت گہرا ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے؛

"اَلْعِلْمُ ھُوَ الْحِجابُ الْأَکْبَر"[۲]

علم سب سے بڑا حجاب ہے

سالک کو اس حجاب میں ٹھہرانہ رہنا چاہئے اور اسے چاک کردینا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ اسی مقام پر قناعت کرنے اور دل کو اسی زندان میں مقید رہنے دینے سے استدراج میں پڑ جائے۔ استدراج کا مطلب اس مقام پر یہ ہے کہ علم کے کثیر فروعی مسائل میں مشغول ہوجائے اور اس مقصد کے لئے جولان فکری کے ذریعہ کثرت سے براہین تو قائم کرلے، لیکن دوسرے منازل سے محروم ہوجائے، اس کا دل اسی مقام پر پڑا رہ جائے اور اس مطلوب نتیجہ سے غافل ہو جائے جو وصول "الی فناء اللہ" (اللہ کے لئے فنا ہونے کے مقام تک پہنچنا) ہے اور اپنی عمر برہان اور اس کے شعبوں کے حجاب ہی میں صرف کرتا رہے۔ فروع جتنے کثیر ہوتے جائیں گے حجاب اسی قدر زیادہ ہوتے جائیں گے اور حقیقت سے محجوبی اتنی ہی بڑھتی جائے گی۔ لہٰذا سالک کو چاہئے کہ اس مقام پر شیطان کے دھوکہ میں نہ آئے اور برہان کی کثرت و فراوانی اور قوت کی وجہ سے حق وحقیقت سے محجوب نہ ہو اور طلب میں سیر کرنے سے رک نہ جائے۔ دامن ہمت سے کمر کو باندھے اور کوشش و کاوش کے ساتھ مطلوب حقیقی کی تلاش سے غفلت نہ برتے اور خود کو اگلے مقام تک پہنچائے جو (علم سے آگے) دوسرا مقام ہے۔

دوسرا مقام یوں ہے کہ جو کچھ عقل نے قوت برہان اور سلوک علمی سے دریافت کیا ہے اسے عقل کے قلم سے دل کے صفحہ پر تحریر کرے اور ذلت عبودیت اور عزت ربوبیت کی حقیقت کو دل تک پہنچائے اور علم کے قیود وحجابات سے فارغ ہوجائے۔ ہم اس مقام کی طرف عنقریب اشارہ کریں گے، انشا اللہ۔ لہٰذا مقام دوم تک پہنچنے کا نتیجہ "حقائق پر ایمان" کا حصول ہے۔

---

[۱] عوالی اللئالی میں روایت ہے: "اَللّٰھُمَّ أَرِنَا الْحَقَائِقَ کَمَا هِي" (پالنے والے! حقیقتوں کو مجھے ویسے ہی دکھا جیسے وہ ہیں) اور اسی کتاب کی تعلیق میں شرح کبیر فخر رازی، ج۶، ص۲۶ سے اور مرصاد العباد، ص۳۰۹ سے "ارنا الاشیاء کما ھی" نقل کیا گیا ہے۔

[۲] تفسیر سورہ حمد (مولفہ؛ امام خمینیؒ) جلسہ سوم..... ص:129

مقام سوم، مقام ''اطمینان وطمانینت نفس'' ہے جو دراصل ایمان کا کامل مرتبہ ہے۔ خداوند عالم نے اپنے خلیلؑ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ ؕ [1]

خدائے تعالٰی نے اپنے خلیل ابراہیمؑ سے خطاب کیا: ''کیا ایمان نہیں لائے ؟ کہا: کیوں نہیں! لیکن (یہ تقاضا) اس لئے کہ میرا دل اطمینان و راحت پائے۔

شاید اس مرتبہ کی طرف اشارہ بھی اس کے بعد میں آئے۔

مقام چہارم، مقام ''مشاہدہ'' ہے جو ایک نور الٰہی اور تجلی رحمانی ہے جو تجلیات اسمائیہ و صفاتیہ کے تحت سالک کے باطن میں ظہور کرتی ہے اور اس کے سارے دل کو نور شہود سے روشن کر دیتی ہے۔ اس مقام میں بہت درجات ہیں۔ اس مختصر کتاب میں ان کے بیان کی گنجائش نہیں ہے۔ اس مقام پر ایک نمونہ قرب نوافل (کنت سمعہ و بصرہ ویدہ) [2] کا ظاہر ہوتا ہے اور سالک خود کو ایک دریائے ناپیدا کنار میں مستغرق پاتا ہے۔ اس کے بعد ایک اور انتہائی عمیق دریا ہے جس میں مستغرق ہونے سے اسرار ''قدر'' میں سے شمہ بھر کا کشف ہوجاتا ہے۔ ان مقامات میں سے ہر مقام کا اسی مقام سے مختص الگ الگ استدراج ہے۔ جس میں سالک کو ایک بڑی ہلاکت سے سابقہ ہوتا ہے۔ سالک کو چاہئے کہ ہر مقام میں خودانیت و انانیت سے خالی رکھے اور خود بین و خودخواہ نہ ہونے پائے کہ اکثر مفاسد کا سرچشمہ یہی ہے۔ خصوصاً سالک کے لئے۔ اس مطلب کی طرف ہم بعد میں اشارہ کریں گے۔

---

[1] سورۂ بقرہ/ ۲۶۰

[2] حاشیہ نمبر ۱، ص ۲۹۔

فصل سوم

خشوع

تمام عبادات خصوصاً نماز میں، جو تمام عبادات میں برتر اور مقام جامعیت رکھتی ہے، جن امور کا لحاظ سالک کے لئے لازم ہے ان میں ایک ''خشوع'' ہے۔ اس کی حقیقی تعریف ہے ''ایسا خضوع یعنی تواضع جس میں محبت یا خوف شامل ہو'' خشوع تب حاصل ہوتا ہے جن عظمت وسطوت اور جلال و جمال کی ہیبت کا ادراک ہوجائے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اہل سلوک کے قلوب جبلّت وفطرت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں: چنانچہ بعض قلوب ''قلوب عشقی اور مظاہر جمال'' ہوتے ہیں۔ لہٰذا فطری طور پر جمال محبوب کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور سلوک میں جب ظلّ جمیل (صاحب جمال کا سایہ) یا اصل جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں تو سر جمال میں پوشیدہ عظمت انہیں محو کر دیتی ہے اور خود سے بے خود بنا دیتی ہے، چونکہ ہر جمال میں ایک جلال اور ہر جلال میں ایک جمال پوشیدہ ہے۔ ممکن ہے حضرت مولائے عارفین، امیر المومنین و سالکینؑ نے شاید اسی کی طرف یہ کہہ کر اشارہ فرمایا ہو:

سبحان من اتّسعت رحمته لأوليائه فى شدّة نقمته، واشتدّت نقمته لأعدائه فى سعة رحمته[1]

پاک ہے وہ جس کا عذاب اور انتقام شدید ہے اور اس حال میں اس کی رحمت اس کے دوستوں پر چھائی ہے اور حالانکہ اس کی رحمت کا دائرہ وسیع ہے اس کا عذاب و انتقام اس کے

---

[1] منہاج البراعۃ فی شرح نہج البلاغۃ (خوئی) / ج19 / 334 / خاتمۃ ص:279

دشمنوں پر سخت ہے۔

لہٰذا جمال کی ہیبت وعظمت وسطوت ان پر چھا جاتی ہے اور جمال محبوب کے سامنے ان کے اندر حالت خشوع پیدا ہو جاتی ہے۔ ابتدا میں یہ حالت دل میں تزلزل و اضطراب پیدا کرتی ہے اور سنبھلنے کی قوت حاصل ہونے کے بعد حالت انس میں بدل جاتی ہے۔ وحشت واضطراب، جوعظمت وسطوت سے پیدا ہوا تھا انس وسکینہ کا رخ اختیار کر لیتا ہے اور حالت طمانینت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی یہی حالت تھی

بعض قلوب ''خوفی اور مظاہر جلال'' ہوتے ہیں۔ یہ ہمیشہ عظمت و کبریائی اور جلال کا ادراک واحساس کرتے ہیں اور ان کا خشوع ''خوفی'' ہوتا ہے اور اسمائے قہریہ و جلالیہ ان کے قلوب پر جلوہ ریزی کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت یحیٰ علیٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السلام ایسے ہی تھے۔

لہٰذا خشوع کبھی محبت سے مخلوط ہوتا ہے اور کبھی خوف و ودہشت میں ممزوج۔ اگر چہ ہر محبت میں ایک وحشت اور ہر خوف میں ایک محبت ہوتی ہے۔

خشوع کے مرتب عظمت وجلال اور حسن و جمال کے ادراک کے مطابق قائم ہوتے ہیں اور چونکہ ہم جیسے لوگ نور مشاہدات سے

محروم ہیں، مجبوراً لازم ہے کہ ہم علم یا ایمان کے راستہ سے خشوع حاصل کرنے کی فکر میں رہیں۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا:

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيۡنَ هُمۡ فِىۡ صَلَاتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ [1]

ضرور وہ مومنین کامیاب ہوئے جو اپنی نمازوں میں خاشع ہیں۔

نماز میں خشوع کو ایمان کے حدود اور علامات میں قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا جو شخص خشوع کے بغیر نماز ادا کرے، وہ ارشاد خداوندی کی بنا پر اہل ایمان کے دائرہ سے خارج ہے اور ہم لوگوں کی نمازیں جو خشوع کے بغیر ہوتی ہیں اس کا سبب یا نقصان ایمان ہے یا فقدان ایمان۔ (یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اعتقاد وعلم اور ہے اور ایمان اور۔ اس طرح اور اسماء وصفات کا جو علم ہم میں پیدا ہو جاتا ہے وہ ایمان کے علاوہ کچھ اور ہے۔ شیطان ذات مقدس حق کی شہادت کے ساتھ ہی مبدا و معاد کا علم رکھتا ہے اس کے باوجود کافر ہے:

---

[1] سورۂ مومنون/۲۰۱

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ. [1]

تو نے مجھے آگ سے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔

کہتا ہے لہٰذا حق تعالیٰ کی خالقیت کا اقرار ہے:

اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ. [2]

مجھے اس دن تک مہلت دے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے۔

کہتا ہے لہٰذا معاد کا اعتقاد رکھتا ہے۔ کتب و رسل اور ملائکہ کا علم اس کو ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود خدا نے اس کو کافر کہہ کر خطاب کیا ہے اور اہل ایمان کی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔

لہٰذا اہل علم اور اہل ایمان ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ ہر صاحب علم صاحب ایمان نہیں ہے۔ لہٰذا سلوک علمی سے آگے بڑھ کر خود کو مومنین کے زمرہ میں شامل کرنا ضروری ہے اور حق جل جلالہ کی عظمت اور اس کے جلال و جمال کو دل میں جگہ دینا لازم ہے تاکہ قلب ''خاشع'' ہو جائے۔ ورنہ محض علم سے خشوع نہیں پیدا ہوتا۔ جیسا کہ تم خود کو دیکھتے ہو کہ مبدا و معاد اور عظمت و جلال حق کے اعتقاد کے باوجود تمہارا دل خاشع نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ [3]

کیا ایمان داروں کے لئے ابھی تک اس کا وقت نہیں آیا کہ خدا کی یاد اور قرآن کے لئے جو (خدا کی طرف سے) نازل ہوا ہے ان کے دل نرم ہو۔

اس آیت میں شاید ایمان سے ایمان صوری مراد ہو یعنی ان چیزوں کا اعتقاد جو نبیؐ لے کر آئے۔ ورنہ ایمان حقیقی کے لئے کم سے کم خشوع کے ایک مرتبہ پر پہنچنا لازم ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آیۂ کریمہ میں خشوع سے مراد خشوع اپنے پورے مراتب کے ساتھ مراد ہو۔ جیسے عالم کا اطلاق کبھی اس صاحب علم پر ہوتا ہے جو حدّ علم سے بڑھ کر حدّ ایمان تک پہنچ چکا ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آیۂ ''انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء'' [4]

---

[1] سورۂ اعراف/ ۱۲

[2] سورۂ اعراف/ ۱۴

[3] سورۂ حدید/ ۱۶

[4] سورۂ فاطر/ ۲۸

میں علما سے ایسے علماء کی طرف اشارہ ہو۔

کتاب وسنت کی زبان میں علم وایمان واسلام کا اطلاق مختلف مراتب پر ہوا ہے،مگر ان کا بیان اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔

مختصر یہ کہ سالک طریق آخرت کے لئے لازم ہے کہ اپنے دل کو علم وایمان کی روشنی سے خاشع بنائے،خصوصاً نماز کے ذریعہ اوراس الٰہی گداز اور رحمانی نور کو، جتنا ممکن ہو، دل میں متمکن و جاگزین کرے، بلکہ وہ اس حالت کو پوری نماز میں باقی رکھ سکتا ہے۔

یہ حالت تمکن ہو، واستقرار ہم جیسوں کے لئے اگر چہ ابتدا میں کچھ مشکل اور دشوار معلوم ہوگی لیکن تھوڑی پابندی اور ریاضت قلب کے بعد آسان ہوجائے گی۔

میرے عزیز! کمال اور توشہ آخرت کا حصول شوق اور کوشش و کاوش چاہتا ہے اور مقصد جتنا بڑا ہوتا ہے اس کی راہ میں اتنی ہی بڑی کوشش مناسب ہوتی ہے اور یقیناً قرب الٰہی کی منزل معراج اور جوار رب العزت کا مقام تقرب سستی وکاہلی، آرام طلبی وسہولت پسندی سے ہاتھ نہیں آتا۔ مردانہ وار مقصد تک پہنچنے کے لئے اٹھ کھڑے ہونا چاہئے۔

آپ تو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اس عالم کو اس عالم پر کسی طرح سے بھی قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ وہ سعادت وکمال کا رخ ہو یا شقاوت و وبال کا رخ، کیونکہ وہ عالم ابدی اور دائمی ہے جس میں موت اور فنا کچھ نہیں۔ جو وہاں سعادت مند ہوگا وہ ہمیشہ کے لئے راحت اورعزت ونعمت پائے گا۔راحت ایسی جس کی مثال اس دنیا میں نہیں ہے۔عزت وسلطنت الٰہی کہ یہاں اس کی نظیر نہیں نعمتیں ایسی جو قوت متخلیہ میں آنہیں سکتیں۔اسی طرح وہاں کی شقاوت کا رخ ہے۔ وہاں کے عذاب وعقاب اور وبال کی بھی اس دنیا کے آفات ومصائب سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔

سعادت تک پہنچنے کی راہ اطاعت رب العزت ہے اور تمام طاعتوں اور عبادتوں میں کوئی طاعت اور کوئی عبادت اس نماز کے برابر مرتبہ نہیں رکھتی جو سعادتوں کا ایسا جامع الٰہی معجون ہے جو سعادت انسانی کا کفیل ہے اور جس کی قبولیت پر تمام اعمال کی قبولیت کا انحصار ہے۔

لہٰذا اس کو حاصل کرنے کے لئے پوری کوشش کرنا چاہئے اور اس کوشش میں کوئی کمی نہ کرنا چاہئے۔اس راہ میں تکلیفوں اور مشقتوں کو برداشت کرنا چاہئے۔ حالانکہ یہ کوئی مشقت کا کام بھی نہیں ہے، بلکہ اگر ذرا پابندی کرلی جائے اور دل کو مانوس بنالیا جائے تو اسی دنیا میں اللہ سے مناجات اور راز و نیاز کی وہ لذت حاصل کی جاسکتی ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی لذت نہیں آسکتی۔ جیسا کہ اہل مناجات کے احوال کے مطالعہ سے یہ بات واضح وروشن ہوجاتی ہے۔

الغرض اس فصل میں ہمارے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ جب انسان نے برہان اور دلیل سے یا انبیاء علیہم السلام کے

بیانات سے جمال وجلال حق کی عظمت کو سمجھ لیا تو قلب کو اس کی یاد دہانی کرانا چاہئے اور دھیرے دھیرے تذکر وتوجہ قلبی عظمت وجلال حق کی عظمت کے ذکر کی مداومت سے دل میں خشوع پیدا کرنا چاہئے تا کہ وہ نتیجہ حاصل ہو جو مطلوب ہے۔ سالک کو چاہئے کہ کسی حال میں بھی سالک کو اس مقام پر قناعت نہ کرلینا چاہئے جس کو اس نے پالیا ہے، کیونکہ جو مقام بھی ہم جیسے لوگوں کو حاصل ہو جائے، اہل معرفت کے بازار میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اور اصحاب قلوب کی نظر میں رائی کے برابر بھی نہیں ہوتا۔ سالک کو چاہئے کہ تمام حالات میں اپنے نقائص ومعائب کو دیکھتا رہے تا کہ سعادت تک پہنچنے کی کسی راہ کے کھلنے کا امکان پیدا ہو سکے۔

والحمدللہ

فصل چہارم

طمانینت

قلبی عبادات کے اہم آداب میں، خصوصاً وہ عبادات جن میں (زبان سے) ذکر خدا کیا جاتا ہے۔ ایک ادب ''طمانینت'' ہے۔ یہ طمانینت کے علاوہ ہے جس کو فقہا رضوان اللہ علیہم نے نماز میں خصوصیت کے ساتھ معتبر جانا ہے۔ قلبی عبادات کی طمانینت یہ ہے کہ سالک عبادت کو سکون قلب اور اطمینان خاطر کے ساتھ بجالائے، کیونکہ اگر عبادت اضطراب اور گھبراہٹ کی حالت میں ادا کی گئی تو دل ایسی عبادت سے متاثر نہیں ہوگا اور دل کی آسانی مملکت میں عبادت کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوگا اور حقیقت عبادت قلب کی باطنی صورت میں نہیں آسکے گی۔

عبادات کی تکرار اور کثرت اوراد واذکار ان سے متاثر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ذکر وعبادت کی حقیقت ذات سالک کے باطن میں متشکل ہو جاتی ہے اور اس کا قلب روح عبادت سے متحد ہو جاتا ہے (یعنی قلب و روح عبادت دونوں ایک ہوجاتے ہیں)۔

جب تک قلب کو سکون واطمینان اور طمانینت و وقار حاصل نہ ہوگا اس وقت تک اذکار ونسک بے اثر رہیں گے اور ظاہر اور ملک بدن کی حد سے آگے بڑھ کر ملکوت اور باطن نفس میں سرایت نہ کر پائیں گے اور حقیقت عبادت کے قلبی سعادت کے حقوق ادا نہ ہوسکیں گے۔ یہ بات اتنی واضح ہے کہ ذرا غور کرنے سے معلوم ہو جاتی ہے۔ زیادہ بیان کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر عبادت اس انداز سے کی جائے کہ قلب کو اس کی کچھ خبر ہی نہ ہو اور باطن پر اس کے اثرات مترتب نہ ہوں تو دوسرے عالم میں محفوظ نہیں رہے گی اور عالم ملک سے عالم ملکوت کی بلندیوں تک نہیں پہنچ سکے گی اور ممکن ہے مرض

الموت کی سختیوں، احتضار کے ہولناک لمحوں اورموت کے بعد کے آفات و مصائب میں خدا خدانخواستہ اس کی صورت بالکل ہی صفحہ قلب سے مٹ جائے اورانسان خالی ہاتھ بارگاہ قدس الٰہی میں پہنچے۔

مثال کے طور پر اگر کوئی شخص ذکر شریف ''لا الٰہ الاّ اللہ، محمد الرّسول اللہ'' کوسکون قلب اور اطمینان نفس کے ساتھ ادا کرے اور قلب کو اسی ذکر کی تعلیم دے تو آہستہ آہستہ دل کی زبان گویا ہونے لگے گی اور زبان ظاہر زبان قلب کی تابع ہوجائے گی۔ نتیجہ میں پہلے قلب ذکر کیا کرے گا پھر زبان۔

اسی مفہوم کی طرف حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشادفرمایا ہے۔''مصباح الشرع''میں روایت ہے، آپؑ نے فرمایا:

فَاجْعَلْ قَلْبَكَ قِبْلَةً لِلِسَانِكَ لَا تُحَرِّكْهُ إِلَّا بِإِشَارَةِ الْقَلْبِ وَمُوَافَقَةِ الْعَقْلِ وَرِضَى الْإِيمَانِ.[1]

اپنے قلب کواپنی زبان کا قبلہ قرار دو، اشارۂ قلب، موافقت عقل اور رضائے ایمان کے بغیر زبان نہ ہلاؤ۔

اول جب زبان قلب گویا نہ ہوئی ہو، سالک راہ آخرت کو چاہیئے کہ قلب کوسکھائے اور طمانینت وسکون کے ساتھ ذکر کر کے بتائے۔

زبان قلب کے کھلنے کے ساتھ ہی قلب زبان اور تمام اعضاء کا قبلہ ہو جائے گا اوراس کے ذکر کے ساتھ انسان کے وجود کی تمام مملکت ذاکر بن جائے گی۔

لیکن اگر یہ ذکر شریف سکون قلب وطمانینت کے بغیر اور جلد بازی و اضطراب اور بے حواسی و بدحواسی میں اد اکیا تو دل پر کوئی اثر پیدا نہ ہوگا اور ظاہری حیوانی زبان اورکان سے بڑھ کر انسانی سماعت اور قلب تک نہ پہنچ سکے گا۔ اس کی حقیقت قلب میں جگہ نہ بنا سکے گی اور قلب کی ایسی صورت کمالیہ نہ بن سکے گا جس کا رائل ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ ایسے میں اگر خوف وشدت کا سامنا ہوخصوصاً احتضار کا خوف اورشدائد اور جانکنی جیسی تکلیفیں، تو بالکل ہی وہ ذکر یاد سے نکل جائے گا اور صفحہ دل سے محو ہوجائے گا۔

ذکر تو ذکر خدا و رسولؐ دین اسلام، کتاب الٰہی، ائمہ ہدیٰؑ اورسارے ہی معارف جو زبان تک رہ گئے تھے اوردل تک نہیں پہنچے تھے فراموش ہوجائیں گے اور جب سوالات قبر کا وقت آئے گا تو کسی سوال کا جواب نہ بن پڑے

---

[1] مصباح الشریعہ، باب ۵ (فی الذکر)، مستدرک الوسائل، کتاب الصلوۃ، ابواب الذکر، باب النوادر، حدیث ۲۔

گا۔ تلقین بھی کوئی فائدہ نہ دے گی۔ اس لئے کہ اپنے میں حقیقت ربوبیت و رسالت اور دوسرے معارف کا کوئی اثر نظر نہیں آئے گا اور جو کچھ یوں ہی زبان سے کہا تھا اور دل میں اس نے کوئی جگہ نہیں بنائی تھی وہ سب اس کے خیال سے نکل چکا ہوگا اور ربوبیت اور رسالت اور دیگر معارف کی گواہی سے کچھ بھی نصیب نہ ہوگا۔

حدیث میں ہے کہ امت رسولؐ کے کچھ لوگ جن کو داخل جہنم کیا جائے گا، مالک جہنم کی ہیبت سے رسولؐ کا نام بھول جائیں گے۔ حالانکہ اسی حدیث میں ہے کہ یہ لوگ اہل ایمان ہوں گے اور ان کے دل اور صورتیں نور ایمان سے تابان و درخشان ہوں گی [1]۔

محدث عظیم الشان جناب مجلسی علیہ الرحمہ، کتاب ''مرآۃ العقول'' میں حدیث ''کنت سمعہ وبصرہ'' کی شرح تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جو شخص اپنی آنکھ، کان اور دوسرے اعضائ کو اطاعت حق تعالیٰ میں مصروف نہیں رکھتا وہ روحانی آنکھ نہیں رکھتا اور چونکہ یہ ملکی و جسمانی آنکھ، کان اس عالم میں نہیں جائیں گے، لہٰذا وہ عالم قبر اور عالم قیامت میں آنکھ، کان کے بغیر ہوگا۔ میزان سوال و جواب قبر وہی اعضائے روحانی ہیں'' (یہ جسمانی اعضاء نہیں) [2]

الغرض اس طرح طمانینت اور اس کے اثرات کے بارے میں احادیث شریفہ بہت ہیں۔

قرآن مجید میں ترتیل قرآن کا حکم دیا گیا ہے (یعنی ٹھہر ٹھہر کے تلاوت کرنے کا تاکہ دل میں اترتا چلا جائے) احادیث شریفہ میں ہے

''جو شخص قرآن کے کسی سورہ کو بھول جائے، تو وہ بہشت میں ایسی صورت میں ہوگا جو اچھی نہ ہوگی، تو جب یہ شخص اس کو دیکھے گا، تو اس سے کہے گا: تو کیا ہے، تو کتنا اچھا ہے، کاش تو میرا ہوتا! تو وہ سورہ جواب دے گا: مجھے نہیں پہچانتا؟ میں فلاں سورہ ہوں۔ اگر تو نے مجھے بھلا یا نہ ہوتا تو تجھے اس بلند درجے تک پہنچا دیتا'' [3]

حدیث میں ہے کہ

---

[1] علم الیقین۔ ج ۲ ص ۱۰۳۹

[2]۔ مرآۃ العقول، ج ۱۰، ص ۳۹۲

[3] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۱۰، کتاب فضل القرآن، باب من حفظ القرآن ثم نسیہ، حدیث ۲۔

''جوشخص جوانی میں قرآن پڑھتا ہے،تو قرآن اس کے گوشت اورخون میں مخلوط ہو جاتا ہے'' [۱]

اس میں نکتہ یہ ہے کہ جوانی میں دل کی مشغولیت اورکدورت کم ہوتی ہے اس لئے دل اس سے بہت زیادہ اور بہت جلد متاثر ہوتا ہے اوراس کا اثر بھی زیادہ وہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں بہت حدیثیں ہیں جن کا ذکر ہم باب ''قرائت''میں کریں گے انشا اللہ۔ حدیث شریف میں ہے کہ''خدا کے نزدیک اس عمل سے زیادہ کوئی شے محبوب نہیں جو برابر کیا جاتا رہے، چاہے تھوڑا ہو'' [۲]

شاید اس میں بڑا نکتہ یہ ہو کہ برابر انجام دیا جانے والا عمل قلب کی باطنی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جیسا کہ ذکر ہو چکا۔

---

[۱] اصول کافی، ج ۴،ص ۴۰۵، کتاب فضل القرآن، باب فضل حامل القرآن، حدیث ۴۔

[۲] اصول کافی، ج ۳،ص ۱۳۷، کتاب الایمان ولاکفر، باب الاقتصاد وفی العبادۃ، حدیث ۲۔

فصل پنجم

شیطان کے تصرف سے عبادت کی محافظت

نماز اور تمام ہی عبادت کے اہم قلبی آداب میں سے ایک، جو قلبی آداب کی ایک اصل و بنیاد ہے اور اس کے لئے قیام کرنا ایک عظیم امر اور دقیق مشکل ہے، وہ تصرفات شیطانی سے محافظت ہے۔ شاید مومنین کی مدح میں آیۂ شریفہ کا ارشاد[1] حفاظت کے تمام مراتب کی طرف اشارہ ہو جن میں سے ایک مرتبہ، بلکہ اہم ترین مرتبہ تصرف شیطان سے حفاظت ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اصحاب معرفت اور ارباب قلوب کے نزدیک یہ بات واضح ہے کہ جس طرح جسموں کے لئے جسمانی غذا ہوتی ہے جس سے جسم پرورش پاتا ہے اور یہ غذا جسم کی حالت کے مناسب اور اس کی نشوونما کے موافق ہونی چاہئے تا کہ اس سے جسم کی تربیت ہو اور روئیدگی و بالیدگی میں کام آئے، اسی طرح دلوں اور روحوں کی بھی ایک غذا ہوتی ہے اور اس ان کی غذا بھی ان کے مناسب حال اور ان کی نشوونما کے لائق ہونی چاہئے تا کہ دل اور روح کی تربیت ہو اور ان کی روئیدگی و بالیدگی میں کام آئے اور معنوی نمو اور باطنی ترقی میں کام آئے۔ روحوں کی پرورش کے مناسب غذا مبادی و جود کے مبدا سے لے کر نظام ہستی کی آخری انتہا تک کے الٰہی معارف ہیں۔ جیسا کہ فلسفہ کی تعریف میں بزرگ ارباب فن کہتے ہیں:

هی صیرورة الانسان عالما عقلیّا مضاهیا للعالم العینیّ فی صورته و

---

[1] جو لوگ اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں/سورۂ معارج/ ۳۴، مومنون/ ۹

کمالہ[1]

''فلسفہ،انسان کا عالم عقلی کے قالب میں آجاتا ہے (اس طرح کہ صورت وکمال میں) جہاں خارج کے مانند ہوجائے۔

اور یہ ایسی معنوی پرورش کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ دلوں کی بالیدگی فضائل نفسانیہ اورمناسک الٰہیہ سے ہوتی ہے۔

یہ بھی معلوم رہنا چاہیئے کہ اس طرح کی ہر غذا شیطانی تصرف سے پاک اورخالص ہونی چاہیئے اوررسالت مآب حضرت رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ولایت مآب حضرت علی اللہ الاعظمؑ کے دست حق پرست کی مہیا کی ہوئی ہونی چاہیئے۔ ایسی ہی غذا سے روح و دل پر ورش پاسکتے ہیں اور انسانیت کے کمال اورتقرب خدا کی معراج تک پہنچ سکتے ہیں۔

شیطانی تصرف سے چھٹکارہ اخلاص کا مقدمہ ہے اور یہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک سالک اپنے سلوک میں خدا خواہ نہ ہو اور خود وخواہی وخود پرستی کو جو تمام مفاسد کا سرچشمہ اورتمام باطنی بیماریوں کی ماں ہے، پائے حقارت سے کچل نہ دے۔ یہ اخلاص اپنے تمام معنی میں انسان کامل اوران کے اتباع میں اولیائے خالصین علیہم السلام کے علاوہ کسی شخص کو میسر نہیں ہے لیکن سالک کو بہرحال حق تعالٰی کے باطنی لطف وکرم سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اللہ کی رحمت اوراس کی مہربانی سے مایوسی، ہرقسم کی افسردگی اورکاہلی وسستی کی اصل و بنیاد ہے اورسب سے بڑے گناہان کبیرہ میں سے ہے۔ جیسا کہ اورجتنا کچھ عام لوگوں کے امکان میں بھی ہے وہی ارباب معرفت کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

لٰہذا سالک راہ آخرت کے لئے حتماً لازم ہے کہ جتنی کوشش وکاوش ممکن ہو، اپنے معارف ومناسک کو شیطان اورنفس امارہ سے بچانے میں صرف کردے اور پوری دقت نظر اورجذبہ تجسس کے ساتھ اپنے حرکات وسکنات اورطلب و مطلوب کے بارے میں غور کرے اورانتہائی سیر وتحصیل اور باطنی حرکات اورروحانی غذا کے مبادیات کو حاصل کرے اور نفس اورشیطان کی فریب کاریوں سے غافل نہ ہو اوراپنے تمام حرکات وافعال کے بارے میں اپنے آپ سے کامل سوء ظن رکھے اورخودکو ہرگز خودسر وآزاد نہ ہونے دے، کیونکہ اکثر ذراسی غفلت اور ڈھیل انسان کو مغلوب کردیتی ہے زمین پر پٹخ دیتی ہے اور ہلاکت وفنا کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ کیونکہ روحانی غذائیں اگر شیطانی تصرفات سے محفوظ نہ ہوں

---

[1] ملا صدرا رحمۃ اللہ علیہ اوران کے پیروؤں نے فلسفہ کی یہی تعریف کی ہے اوران میں سے چندلوگوں نے(فی صورتہ و کمالہ) کی قید کا بھی اضافہ کیا ہے۔

اورشیطانی ہاتھ ان کے فراہم کرنے میں دخیل ہوتو علاوہ اس کے کہ روح وقلب کو ان سے بالیدگی حاصل نہیں ہوتی اوراپنے کمال تک نہیں پہنچتے، ایک نہایت ہی برا اور بڑا نقصان ان میں پیدا ہوجاتی ہے اورممکن ہے کہ ایسی غذائیں استعمال کرنے سے خودبھی شیطان بن جائے یا چوپایوں اوردرندوں کے زمرہ میں خودکو شامل کرلے اوراس روحانی غذا کا جوسرمایہ سعادت ہے اورکمال انسانیت کا راس المال اور مدارج عالیہ تک پہنچنے کا زینہ ہے، برعکس نتیجہ سامنے آئے اورانسان کو بدبختی وشقاوت کے اندھیر جہنم کی طرف کھینچ لے جائے۔ چنانچہ بعض ''اصطلاحی اہل عرفان'' میں ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں،جن کوعرفانی اصطلاحات اوران کے بارے میں غور وفکر ہی نے بے راہ وگمراہ کردیا۔ ان کے دلوں کو پست اوران کے باطن کوتاریک کردیا اور معارف کی پابندی ہی نے ان کی انیت وانانیت کی قوت کو بڑھاوادیا اوروہ ناشائستہ دعوے اورشرع کے مقابلہ میں گستاخیاں کرنے لگے۔ ارباب ریاضت اوراصحاب سلوک میں بھی ایسے افراد ہیں جن کی تصفیہ قلب میں مشغولیت وریاضت نے ان کے دلوں میں اورزیادہ خس وخاشاک بھر دیئے اوران کے باطن کواوربھی تاریک بنادیا۔

ایسا اس لئے ہوا کہ انہوں نے سلوک معنوی اورمہاجرت الی اللہ کا خیال نہیں رکھا۔ ان کا علمی سلوک اوران کی ریاضتیں شیطان اورنفس کے تصرفات کی وجہ سے اللہ کے لئے نہیں رہ گئی تھیں بلکہ شیطان اورنفس کے لئے تھیں۔

علوم عقلیہ کے طلبہ کی طرح علوم نقلیہ شرعیہ کے طلبہ میں بھی ہم نے ایسے لوگ دیکھے جن پرعلم نے برا اثر ڈالا ان میں اخلاقی مفاسد کا اضافہ کیا اورعلم جو ان کی فلاح ونجاح کا باعث ہونا چاہئے تھا، ہلاکت کا سبب بن گیا اورانہیں جہالت،مرارات،سرکشی وغروراورخود پسندی کی طرف کھینچ لے گیا۔

اہل عبادت اوراہل مناسک اورآداب وسنن کی پابندی کرنے والوں میں بھی ایسے اشخاص ہیں جن کے دلوں کو عبادات ومناسک آلودہ اورتاریک کردیتی ہیں اوران لوگوں کوخود پسندی اورخود بینی،تکبر،خودنمائی،فیشن پرست، بد اخلاق اور بندگان خدا سے بدگمانی میں مبتلا کردیتی ہیں۔ حالانکہ ان عبادات ومناسک سے احوال ونفوس کی بہترین اصلاح ہونا چاہئے۔

یہ برائیاں بھی ان الٰہی معجونوں کو پابندی سے استعمال نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ یقیناً جومعجون شیطان خبیث کے ہاتھ لگ جائے اورنفس سرکش کے تصرف میں آجائے اس سے سوائے شیطانی بداخلاقیوں کے اورکچھ بھی پیدانہیں ہوگا اور جب دل ہرحال میں انہیں سے غذا حاصل کرتا رہے گا اوروہی نفس کی باطنی صورت بن جائیں گے اوراسی کی مداومت کے بعدانسان (آدمؑ کی اولاد ہونے کے بجائے) فرزند شیطان ہوجائے گا کیونکہ اسی کے ہاتھ کے نیچے تربیت پائے اوراسی کے تصرفات کے تحت اس کی نشو ونما ہوگی اورجب چشم ملکی بند ہوگی اورچشم ملکوتی کھلے گی تو اپنے

آپ کو من جملہ اور شیطانوں کے ایک شیطان پائے گا اوراس وقت نقصان کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا اوراپنے حال پر حسرت وافسوس کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

لہٰذا طریق آخرت پر چلنے والا ہر دینی رشتہ میں منسلک اور ہر الٰہی طریق کا راہی ہے ایک تو اس کو چاہئے کہ ایک ہمدرد طبیب اورمہربان تمادار کی طرح پوری توجہ اور پابندی کے ساتھ اپنے حال کی نگہداری کرے اور اپنی سیر و سلوک کے عیوب اورکوتاہیوں کی گہرائی اور باریکی سے تفتیش کرے۔ دوسرے اس طرح سیر وسلوک کے درمیان تنہائیوں میں حق تعالیٰ کی ذات پاک سے خلوات میں پناہ مانگنے،استغفاراور درگاہ ذوالجلال میں تضرع وزاری سے غافل نہ رہے۔

مالک ! تو ہمارے ہماری کمزوریوں اورمجبوریوں سے واقف ہے،تو جانتا ہے کہ ہم تیری ذات پاک کی دستگیری کے بغیر اس دشمن کے ہاتھ سے بچ نکلنے کا راستہ نہیں رکھتے جو اتنا قوی و پرزور ہے کہ انبیاء کرام اوراولیائے والا مقام کو بھی راہ سے بے راہ کرنے پر کمر بستہ رہا ہے اوراگر تیرے لطف وکرم کی روشنی نہ ہوتو ہم کو یہ طاقتور دشمن ہلاک کر کے خاک میں ملادے اور تاریکی وشقاوت کے لق و دق بیابان میں گرفتار کردے۔ تجھ کو اپنے خاصان درگاہ اورمحرمان بارگاہ کی قسم ہے کہ ہم وادی ضلالت میں حیران و پریشان پھرنے والوں اورسرگردانی کے صحرامیں بھٹکنے والوں کی دستگیری فرما اور ہمارے دلوں کو کینہ ونفاق اورشرک وشک سے پاک رکھ۔

انك ولیّ الهلیة

فصل ششم

نشاط وبہجت

نماز اوردوسرے عبادات کے قلبی آداب میں ایک ادب، جوعمدہ نتائج کا سبب، بلکہ بعض ابوب کے کھلنے اورعبادت کے بعد اسرار کے کشف ہونے کا سبب ہے، یہ ہے سالک کوشش کرے کہ عبادات کوقلبی بہجت ونشاط اوردلی فرحت وانبساط کے ساتھ انجام دے اورعبادت کے وقت کاہلی و بے دلی سے سخت احتراز کرے۔ لہٰذا عبادات کے لئے ایسا وقت معین کرے کہ نفس عبادت کی طرف خوشی اورذوق وشوق سے مائل ہو اوراس مصروفیت سے نشاط وتازگی محسوس کررہا ہواورکوئی خستگی اورکسی قسم کا فتور نہ پیدا ہورہا ہو، کیونکہ اگرنفس کوکسالت اورخستگی کے وعقت عبادات کی ذمہ داری سونپے گا توممکن ہے کہ اس کے برے اثرات پیدا ہوں۔ جن میں ایک برا اثر یہ ہوسکتا ہے کہ انسان عبادت سے بددل ہوجائے اورتکلف وتصنّع زیادہ ہوجائے اوردھیرے دھیرے نفس کی طبیعت میں تنفر پیدا ہوجائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انسان یکسر ذکر خدا ہی سے سرگرداں ہو جائے اور روح کو مقام عبودیت سے، جو تمام سعادتوں کا مصدر ہے، رنجش وآویزش پیدا ہوجائے۔ ایسی عبادت سے نہ قلب نورانی ہوتا ہے اورنہ نفس متاثر ہوتا ہے اورصورت عبادت قلب کی باطنی صورت نہیں بن پاتی اوراس سے قبل ہم بتا چکے ہیں عبادت کا مقصد یہ ہے کہ باطن نفس عبادت کی صورت بن جائے۔

اب ہم یوں کہتے ہیں کہ عبادتوں وریاضتوں کے اسرار ونتائج میں سے ایک یہ ہے کہ نفس کا ارادہ ملک بدن میں نافذ ہو اورمملکت بدن پورے طور سے نفس کی بزرگی کے سامنے سرنگوں ہوجائے اورملک بدن میں بکھری ہوئی قوتیں اور پھیلے ہوئے لشکر نافرمانی وسرکشی اورانانیت وخودسری سے باز رہیں اور باطن قلب کی طاقت وملکوت کے سامنے سرتسلیم خم

کردیں، بلکہ رفتہ رفتہ ملکوت میں تمام قوتیں فنا ہو جائیں اور حکم ملکوت ملک بدن میں جاری و نافذ ہو جائے۔ نفس کے ارادہ کو قوت حاصل ہو اور عنان حکومت شیطان اور نفس امارہ کے ہاتھوں سے نکل کے نفس کے ہاتھ میں آجائے اور نفس کے لشکر ایمان سے تسلیم، تسلیم سے رضا اور رضا سے فنا کی طرف کھینچ آئیں۔ اس حال میں عبادت کے اسرار میں سے کچھ کا ادراک ہوگا اور تجلیات فعلی سے تھوڑا بہت حصہ مل جائے گا۔

یہ جو کچھ بیان ہوا، اس وقت تک وجود میں نہیں آتا جب تک عبادت بہجت و نشاط کے ساتھ نہ بجالائی جائے اور تکلف و بددلی اور سستی و کاہلی پوری طرح کنارہ کشی نہ کر لی جائے۔ تاکہ ذکر حق اور مقام عبودیت میں محبت و عشق کی کیفیت پیدا ہو جائے اور انس و تمکن ظاہر ہونے لگے۔ حق سے انس اور حق کا ذکر اہم امور پر سب سے عظیم ہے۔ جس کی اہل معرفت شدید حفاظت کرتے ہیں اور اصحاب سیر وسلوک اس کے لئے تنافس کرتے ہیں اور جس طرح اطبا کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر غذا خوشی اور میل طبعی کے ساتھ استعمال کی جائے تو بہت جلد ہضم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح طب روحانی کا تقاضا ہے کہ اگر انسان روحانی غذائیں بہجت و اشتیاق کے ساتھ استعمال کرے اور سستی و تکلف سے پرہیز کرے تو ان کا اثر دل پر جلدی ہوتا ہے اور باطن قلب کا جلد تصفیہ ہو جاتا ہے۔

عبادت کے اس ادب کی طرف اللہ کی کتاب کریم اور صحیفہ قویم میں اس جگہ اشارہ کیا گیا ہے جہاں کفار و منافقین کی تکذیب کی گئی ہے:

لَا يَأْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ [1]

وہ نماز نہیں ادا کرتے مگر ملال اور سستی کی حالت میں، اور (راہ خدا میں) خرچ نہیں کرتے لیکن کراہت اور ناخوشی کے ساتھ۔

اسی طرح یہ آیۂ شریفہ:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى [2]

مستی کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔

ایک حدیث میں کسالت کی تفسیر کی گئی ہے اور روایات میں اس ادب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ہم ان اوراق میں بعض کا ذکر کرتے ہیں:

---

[1] سورۂ توبہ/ ۵۴،

[2] سورۂ نساء/ ۴۳،

محمد بن یعقوب نے اپنے اسناد کے ساتھ حضرت ابوعبداللہؑ سے روایت کی ہے، آپؑ نے فرمایا:

لَا تُكَرِّهُوا إِلَى أَنْفُسِكُمُ الْعِبَادَةَ[1]

خود کو اکراہ کے ساتھ عبادت میں مصروف نہ کرو۔

اور حضرت ابوعبداللہؑ سے روایت کی ہے، آپؑ نے فرمایا:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: يَا عَلِيُّ، إِنَّ هَذَا الدِّينَ مَتِينٌ فَأَوْغِلُوا فِيهِ بِرِفْقٍ، وَلَا تُبَغِّضْ إِلَى نَفْسِكَ عِبَادَةَ رَبِّكَ.[2]

اے علیؑ! یہ دین متین و استوار ہے، نرمی اور مدارات کے ساتھ اس میں قدم رکھو اور اپنے پروردگار کی عبادت سے خود کو متنفر نہ کرو۔

اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے حدیث ہے:

إِذَا نَشِطَتِ الْقُلُوبُ فَأَوْدِعُوهَا، وَإِذَا نَفَرَتْ فَوَدِّعُوهَا.[3]

جب دلوں میں بہجت و نشاط نظر آئے اس وقت امانت ان کے حوالہ کرو اور جب گریزاں دیکھو تو ان کو چھوڑ دو۔

اور یہ ایک عام اور جامع دستور ہے کہ دلوں کی بہجت اور نشاط کے وقت ہی امانت ان کے سپرد کرتے ہیں اور نفر و فرار کے وقت ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ لہٰذا کسب علوم و معارف میں بھی اس ادب کو پیش نظر رکھنا چاہئے اور دلوں کو ان کی کراہت و تنفر کے باوجود زبردستی ذمہ داری نہ سونپنا چاہئے۔

ان احادیث اور دوسری حدیثوں سے ایک اور ادب کا پتہ چلتا ہے اور وہ ادب بھی باب ریاضت کے اہم امور میں سے ایک ہے۔ اس کو ''مراعات'' کہتے ہیں۔ وہ یوں ہے کہ سالک علمی، نفسانی یا عملی جس ریاضات و مجاہدات کے جس مرتبہ میں بھی ہو، اپنے حال کی مراعات کرے اور اپنے نفس کے ساتھ رفق و مدارات اور نرمی کے ساتھ پیش آئے اور اپنی حالت اور طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہ تھوپے، خصوصاً جوانوں اور نئے عمل کرنے والوں کے لئے یہ انتہائی اہم ہے کہ اگر جوان اپنے نفس کے ساتھ رفق و مدارات نہ کریں اور طبعی حقوق کو بقدر ضرورت حلال طریقوں سے ادا نہ کریں

---

[1] ،اصول کافی، ج ۳،ص ۱۲۹، کتاب الایمان والکفر، باب استواء العمل والمداومۃ علیہ، حدیث ۳

[2] اصول کافی، ج ۳،ص ۱۳۸، کتاب الایمان والکفر، باب الاقتصاد فی العبادۃ، حدیث ۶

[3] بحار الانوار، ج ۷۵،ص ۳۷۷، کتاب الروضۃ، باب ۲۹، حدیث ۳)۔

توبڑے خطرہ میں گرفتار ہوجائیں گے جن کا علاج نہ کیا جا سکے گا۔ وہ بڑا خطرہ یہ ہے کہ کبھی کبھی نفس عادت سے زیادہ سخت گیری اور حد سے بڑھی ہوئی پابندی کی وجہ سے رسی تڑانے لگتا ہے اور زمام اختیار اپنے اختیار میں لے لیتا ہے اور طبیعت کے تقاضے جب موجزن ہوتے ہیں اور خواہش نفس کی تیز آگ جب بے اندازہ ریاضت کے دباؤ میں رہتی ہے تو قہری طور پر بھڑک اٹھتی ہے اور مملکت بدن کو جلا دیتی ہے اور اگر خدانکردہ کوئی سالک بے مہار ہوجائے یا کوئی زاہد بے اختیار ہوجائے تو وہ سعادت کی بلندی سے تباہی کی گہرائی میں اس طرح گر پڑتا ہے کہ پھر کبھی نجات کی صورت نہیں دیکھ پاتا اور طریق سعادت وخلاص کی طرف کبھی لوٹ کے نہیں آتا۔

لہٰذا سالک کو چاہئے ایک ماہر طبیب کی طرح ایام سلوک میں اپنے نفس کی نبض پر ہاتھ رکھے رہے اور احوال وایام سلوک کے تقاضے کے مطابق نفس کے ساتھ پیش آئے اور اشتعال شہوت کے زمانے میں جو جوانی کا فریب ہے، طبیعت کو اس کے حقوق ولذات سے بالکل ہی روک نہ دے اور شرعی طریقوں کے مطابق آتش شہوت کو بجھادے، کیونکہ طریق الٰہی کے مطابق شہوت کے بجھانا سلوک راہ حق میں مکمل طور سے تعاون کرتا ہے۔ لہٰذا نکاح وازدواج کرے جو اللہ کی معین کردہ عظیم سنتوں میں ہے اور نوع انسانی کی بقا کا ذریعہ ہونے کے علاوہ سلوک راہ آخرت میں بھی مناسب دخل رکھتا ہے۔ اسی لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص شادی کرتا ہے وہ اپنے آدھے دین کو محفوظ کر لیتا ہے'' [۱]

دوسری حدیث میں ہے:

''جو شخص خدا سے پاک و پاکیزہ حالت میں ملاقات کرنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ شادی شدہ ہوکر اس سے ملاقات کرے۔'' [۲]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے منقول ہے کہ:

''اہل جہنم میں سے اکثر کنوارے ہوں گے۔'' [۳]

۔حدیث میں ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا: (اصحاب کی ایک جماعت نے اپنے لئے عورتوں کو، دن کے وقت افطار کو اور رات کے وقت سونے کو حرام قرار دے رکھا ہے۔ ام سلمہؓ نے یہ بات حضرت رسول اکرمؐ کو بتائی۔ حضورؐ نے ان لوگوں کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: کیا تم عورتوں سے منہ موڑے ہوئے ہو؟ میں خود عورتوں کے پاس

---

[۱] بحار الانوار، ج ۱۰۰، ص ۲۲۰، کتاب العقود والایقاعات، ابوب النکاح، باب ۱، حدیث ۱۴، بحوالہ امالی شیخ طوسیؒ، ج ۲، ص ۱۳۲

[۲] منبع سابق، حدیث ۱۸، ۵۰۳، بحوالہ روضۃ الواعظین، ص ۳۷۳ و نوادر راوندی، ص ۱۲

[۳] وسائل الشیعہ، ص ۱۵، کتاب النکاح، باب ۲، حدیث ۶

جاتا ہوں، دن میں غذا کھاتا ہوں اور رات میں سوتا ہوں اور جو شخص میری سنتوں سے منہ موڑے وہ میرا نہیں ہے، خدائے تعالیٰ یہ حکم نازل فرمایا ہے:

لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ. [1]

(اپنے اوپر) حرام نہ کرو ان پاکیزہ چیزوں کو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں اور (حد سے) تجاوز نہ کرو بے شک اللہ (حد سے) تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اور اللہ نے تمہیں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں عطا کی ہیں ان میں سے کھاؤ۔ اور اسی اللہ سے ڈرو (اس کی نافرمانی سے بچو) جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

الغرض سالک راہ آخرت کو یہ مراعات لازم ہے کہ کہاں نفس کو پیچھے ڈھکیلا جائے اور کہاں سامنے لایا جائے اور جس طرح نفس کی لگام کو بالکل ہی کھینچے نہ رہنا چاہئے کہ اس سے بڑے مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح سلوک میں بھی عبادات اور عملی ریاضتوں کے لئے سخت گیر نہ ہونا چاہئے اور اس پر حد سے زیادہ دباؤ نہیں ڈالنا چاہئے، خصوصاً عہد شباب میں اور ابتدائے سلوک میں کہ اس سے بھی نفس میں تنفر اور تنگدل پیدا ہوتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ انسان کو ذکر حق سے روگرداں کردے۔

احادیث شریفہ میں اس مطلب کی طرف کثرت سے اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ کافی شریف میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

میں نے ایام جوانی میں عبادات میں بہت کوشش اور محنت کی۔ میرے والد بزرگوار نے مجھ سے فرمایا: بیٹا! کچھ کم عمل بجالاؤ، کیونکہ جب خدا کی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو اس کے تھوڑے ہی عمل سے راضی ہوجاتا ہے۔ [2]

اور تقریباً یہی مضمون دوسری حدیث میں بھی بیان ہوا ہے۔ [3]

کافی میں یہ بھی روایت ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ نے حضرت رسول خداؐ سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا:

---

[1] سورۂ مائدہ: ۸۷، ۸۸

[2] اصول کافی، ج ۳، ص ۱۳۸، کتاب الایمان والکفر، باب الاقتصاد فی العبادۃ، حدیث ۵

[3] اصول کافی، ج ۳، ص ۱۳۸، کتاب الایمان والکفر، باب الاقتصاد فی العبادۃ، حدیث ۴)

یہی دین محکم ہے،اس میں نرمی اورمدارات کے ساتھ داخل ہو اور عبادت خدا سے بندگان خدا کو متنفر نہ کرواوراس سوار کی طرح نہ ہو جاؤ جو نہ سفر کو قطع کرتا ہے اور نہ اپنی سواری سے اترتا ہے۔[1]

دوسری حدیث میں ہے کہ:

اپنے نفس میں عبادت پروردگار کی دشمنی نہ پیدا کرو۔[2]

الغرض ''مراعات'' کے سلسلے میں میزان یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کے احوال کی طرف ملتفت رہے اورنفس کی قوت اوراس کے ضعف کے مطابق سلوک کرے۔ اگرنفس عبادات و ریاضات کی قوت اورتاب مقاومت رکھتا ہے تو عبادت میں ضرورکوشش ومحنت کرے۔

وہ لوگ جوفریب جوانی کے دورکو طے کرکے آگے بڑھ چکے ہیں اوران کی آتش شہوات ایک حدتک سرد ہو چکی ہے ان کے لئے مناسب ہے کہ ریاضات نفسانیہ کچھ زیادہ بجالائیں اورکوشش وکاوش کے ساتھ مرادنہ وارسلوک و ریاضت میں لگ جائیں اورجیسے جیسے نفس کو ریاضتوں کا عادی بناتے جائیں ویسے ویسے ریاضات کے مزید دروازے نفس کے لئے کھولتے جائیں، یہاں تک کہ دھیرے دھیرے نفس مادی قوتوں پر غالب آجائے اور مادی قوتیں نفس کی برتری کے سامنے مقہور ومسخر ہو جائیں اوراحادیث شریفہ میں جو وارد ہوا ہے کہ عبادت میں کوشش اورمحنت کرو اوران لوگوں کی ستائش کی گئی ہے جوعبادت و ریاضت میں کوشش کرتے ہیں اورائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے عبادات و ریاضات کے تذکرے کئے گئے ہیں وہ ان احادیث شریفہ سے متضاد ومتناقض نہیں ہے جن میں عبادات میں میانہ روی کی مدح کی گئی ہے، کیونکہ یہ سب اہل سلوک اوراحوال ودرجات نفوس کے مختلف ہونے کی بنا پر ہے اورقاعدہ کلیہ یہ ہے کہ نفس کے نشاط وقوت اورتنفر وضعف کے مطابق کوشش ومحنت یا میانہ روی سے کام لینا چاہئے۔

---

[1] اصول کافی، ج ۳،ص ۱۳۸، کتاب الایمان والکفر ، باب الاقتصاد فی العبادۃ،حدیث ۱)

[2] اصول کافی، ج ۳،ص ۱۳۸، کتاب الایمان والکفر ، باب الاقتصاد فی العبادۃ،حدیث ۲

فصل ہفتم

تفہیم

عبادات، خصوصاً ذکری عبادات کے قلبی آداب میں سے ایک ''تفہیم'' ہے۔ وہ یوں ہے کہ انسان اپنے قلب کو ابتدا میں ایک بچہ کی طرح فرض کر لے۔ جس نے ابھی بولنا نہیں سیکھا ہے اور سالک اسے تعلیم دینا چاہتا ہے۔ اس لئے ہر ذکر، ہر ورد اور عبادات کی ہر حقیقت اور راز پوری باریکی اور محنت سے اس کو سکھائے اور کمال کے جس مرتبہ میں بھی ہے اس حقیقت کو خود دریافت کرے اور پھر دل کو سمجھائے۔ اب اگر قرآن اور اذکار کے معانی کو نہیں سمجھتا ہے اور عبادات کے اسرار سے خود ہی بے بہرہ ہے تو قرآن کے اجمالی معنی ہی قلب کو بتائے کہ قرآن کلام خدا ہے، اذکار سے اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے اور عبادات اللہ کی اطاعت وفرماں برداری کا نام ہے، قلب کو بس یہی اجمالی معنی سمجھا دے اور اگر قرآن و اذکار کے صوری معانی کو سمجھتا ہے تو قلب کو صوری معانی سمجھائے۔ جیسے وعدہ وعید، امر و نہی، مبدا و معاد کا علم جس وقدر خود حاصل کیا ہے قلب کو تعلیم دے اور اگر معارف کی کوئی حقیقت یا عبادات کا کوئی رمز اس پر کشف ہوا ہے تو اسے پوری سعی وکشش کے ساتھ قلب کو بتائے اور اس کو یاد کرادے۔

اس تفہیم کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک مدت کی مواظبت اور پابندی کے بعد قلب کی زبان کھل جائے گی اور اسے بولنا آجائے گا اور وہ ذاکر و متذکر ہو جائے گا۔ پہلی منزل میں قلب متعلم (شاگرد) ہوگا اور زبان معلم (استاد) ہوگی اور زبان کے ذکر کو سمجھ کر قلب ذاکر بنے گا۔ یعنی قلب زبان کا تابع ہوگا، لیکن جب دل کی زبان کھل جائے گی تو صورت حال برعکس ہو جائے گی۔ قلب ذاکر ہوگا اور زبان اس کے ذکر کو سن کر ذکر کرے گی اور اس کے اتباع میں حرکت کرے گی، بلکہ پھر تو ایسا بھی ہوگا کہ حالت خواب میں بھی انسان ذکر قلب کے زیر اثر ذکر لسانی کرے گا۔ کیونکہ ذکر قلب بیدا

ری کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور اگر قلب متذکر ہوجائے تو زبان اس کی تابع ہو کر ذکر کرے گی اور ذکر ملکوت قلب سے ظاہر میں سرایت کیا کرے گا۔

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ [1]

کہہ دو کہ ہر شخص اپنی سرشت کے مطابق عمل کرتا ہے۔

الغرض ابتدائے سلوک میں انسان کو ادب (تفہیم) کا لحاظ رکھنا چاہئے تا کہ زبان قلب، جو مطلوب حقیقی ہے، کھل جائے۔

زبان قلب کے گویا ہونے کی علامت یہ ہے کہ ذکر میں تھکن اور زحمت محسوس ہونا بند ہو جاتی ہے اور نشاط و فرحت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ خستگی اور بے زاری زائل ہو جاتی ہے۔ جس طرح کسی ایسے بچے کو تعلیم دینا چاہتا ہے جس نے ابھی زبان نہیں کھولی تو جب تک بچہ زبان نہیں کھولتا ہے اس وقت تک معلم خستہ اور ملول رہتا ہے اور جیسے ہی بچہ نے زبان کھولی اور وہ لفظ جو معلم سکھانا چاہتا ہے بچہ نے اپنی زبان سے ادا کیا ویسے ہی معلم کی خستگی رفع ہوجاتی ہے اور اب معلم بے رنج وتعب بچہ کا اتباع کرتے ہوئے (اس کی ذہانت اور قوت گویائی کے مطابق) لفظ کو ادا کرتا ہے۔ دل بھی ابتدا میں اس بچے ہی کی طرح ہوتا ہے جس نے ابھی زبان نہیں کھولی۔ مگر اسے تعلیم دی جانی چاہئے اور اذکار و اوراد اس کی زبان سے ادا کرائے جانے چاہئیں۔ اس کی زبان کھلنے کے بعد انسان خود اس کے تابع ہوجاتا ہے اور اس کو سکھانے کے دوران جو خستگی پیدا ہوتی ہے اور ذکر کے وقت جو رنج وتعب ہوتا ہے وہ ختم ہوجاتا ہے۔ یہ ادب ان لوگوں کے لئے بہت ہی ضروری ہے جو مبتدی ہیں۔

یہ بھی معلوم رہنا چاہئے کہ اذکار اور دعاؤں کی تکرار اور ذکر و عبادت کرتے رہنے، میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ زبان قلب کھلے اور قلب خود ذاکر، دعا کنندہ اور عبادت گزار بن جائے اور جب تک ادب ''تفہیم'' کا لحاظ نہ رکھا جائے گا اس وقت تک قلب کی زبان نہیں کھل سکے گی۔

احادیث شریفہ میں اس مطلب کی اشارہ کیا گیا ہے: چنانچہ کافی شریف میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے قرائت کے بعض آداب بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَلٰكِنِ (اقْرَعُوا بِهِ) قُلُوبَكُمُ الْقَاسِيَةَ وَلَا يَكُنْ هَمُّ أَحَدِكُمْ آخِرَ السُّورَةِ.[2]

---

[1] سورۂ اسراء، ۸۴

[2] اصول کافی، ج ۴، ص ۴۱۸، کتاب فضل القرآن، باب ترتیل القرآن بالصوت الحسن، حدیث ۱

بلکہ قرآن سے اپنے سخت دلوں (کے بند دروازوں) کو کھٹکھٹاتے جاؤ اور اس پر نہ رہو کہ کسی طرح سورہ ختم ہو جائے۔

اور کافی کی حدیث میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابو اسامہ سے فرمایا:

يَا أَبَا أُسَامَةَ ارْعَوْا قُلُوبَكُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاحْذَرُوا النَّكْت.[1]

اے ابو اسامہ! خدا کو اپنے دلوں سے یاد کرو اور جن باتوں،نکت، کا سوچنا اسے ناپسند ہے ان سے پرہیز کرو۔

یہاں تک کہ اولیائے کاملین علیہم السلام بھی اس ادب کو ملحوظ رکھتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام پر نماز میں ایسی حالت طاری ہوگئی کہ آپ کو غش آ گیا۔ جب افاقہ ہوا تو اس حالت کا سبب آپ سے پوچھا گیا۔فرمایا:

ما زلت أردد الآية على قلبي و على سمعي حتى سمعتها من المتكلم بها فلم يثبت جسمي لمعاينة قدرته.[2]

میں نے اس آیت کو دل میں اس قدر دہرایا کہ اس آیت کے کلام کرنے والے سے اسے سنا اور میرے جسم میں اس کی قدر کو دیکھنے کی تاب نہ رہی۔

جناب ابوذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ:

قام رسول الله صلّى الله عليه و آله ليلة يردّد قوله تعالى:اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ [3].[4]

ایک رات پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اٹھے اور بار بار اس آیت کی تلاوت فرمارہے تھے: اگر تو نے ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو یقینا تو ہی صاحب عزت اور صاحب حکمت ہے۔

---

[1] کافی، روضہ، ج۸، ص ۱۴۷، بحار الانوار، ج ۷۴، ص ۵۹، کتاب الایمان والکفر، باب ۴۴، حدیث ۳۸، حوالہ سابق

[2] المحجۃ البیضاء، ج۱، ص ۳۵۲، کتاب اسرار الصلاۃ، باب فضیلۃ الخشوع ومعناہ۔

[3] سورۂ مائدہ: ۱۱۸

[4] روح المعانی فی تفسیر القرآن، علامہ آلوسی، ج۷، ص ۷۰، منقول از سنن نسائی وبیہقی

بالجملہ، حقیقت ذکر و تذکر ذکر قلبی ہے اور ذکر لسانی اس کے بغیر بے روح اور کلی پر درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔

چنانچہ احادیث شریفہ میں اس کی طرف بکثرت اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوذرؓ سے فرمایا:

أَبَا ذَرٍّ رَكْعَتَانِ مُقْتَصِدَتَانِ فِي تَفَكُّرٍ خَيْرٌ مِنْ قِيَامِ لَيْلَةٍ وَ الْقَلْبُ ساهي [سَاهٍ].[1]

اے ابوذرؓ! میانہ روی کے ساتھ دو رکعتیں جو تفکر کے ساتھ پڑھی جائیں، اس شب بیداری (رات بھر کی عبادت) سے بہتر ہیں جن میں قلب لہو ولعب میں پڑا ہوا اور غافل ہو۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے منقول ہے کہ:

خداوند عالم تمہاری صورتوں پر نظر نہیں کرے گا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھے گا۔[2]

حضور قلب سے متعلق احادیث میں ہم بیان کریں گے کہ قلب کے بقدر نماز کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے اور جس قدر قلب غافل ہوتا ہے اسی قدر نماز کی قبولیت میں کمی ہو جاتی ہے۔ جب تک یہ ادب، جس کا ذکر کیا گیا، ملحوظ نہ رہے گا اس وقت تک ذکر قلبی حاصل نہ ہوگا اور قلب سہو وغفلت سے باہر نہیں آئے گا۔

حدیث میں ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

فَاجْعَلْ قَلْبَكَ قِبْلَةً لِلِسَانِكَ لَا تُحَرِّكُهُ إِلَّا بِإِشَارَةِ الْقَلْبِ.[3]

قلب کا قبلہ ہونا اور زبان اور تمام اعضاء کا قلب کے تابع ہونا تب تک ممکن نہیں جب تک ادب، تفہیم، کو ملحوظ نہ رکھا جائے۔

اور اگر اس ادب کے بغیر یہ امور حاصل ہو جائیں تو یہ اتفاقی اور شاذ و نادر بات ہوگی اور انسان کو اس پر مغرور نہ ہونا چاہئے۔

العیاذ باللہ

---

[1] بحار الانوار، ج ۷۴، ص ۸۲، کتاب الروضہ، باب مواعظ النبیؐ، حدیث ۲، بحوالہ مکارم الاخلاق، ص ۴۶۵

[2] سابقہ حوالہ، بحار الانوار، ج ۶۷، ص ۲۴۸، بحوالہ جامع الاخبار، ص ۱۱۷، کچھ اضافے کے ساتھ

[3] مصباح الشریعۃ/ 55 / الباب الرابع والعشر ون فی الذکر

فصل ہشتم

حضور قلب

قلبی اہم آداب میں سے ایک ادب ''حضور قلب'' ہے کہ شاید کثیر آداب اسی کا مقدمہ ہیں اور عبادت اس کے بغیر بے روح ہے اور یہ خود کمالات کی کنجی اور سعادت وخوش بختی کا صدر دروازہ ہے۔احادث شریفہ میں کم امور ہیں جن کا ذکر اتنا زیادہ ہوا ہو جتنا حضور قلب کا ذکر ہوا ہے اور کسی اور ادب کو کم ہی اتنی اہمت دی گئی ہے جتنی اہمیت حضور قلب کو دی گئی ہے۔ ہم نے اگر چہ کتاب سر الصلاۃ اور کتاب شرح چہل حدیث جناب مؤلف قدس سرہ الشریف کے آثار میں سے ہے جو محرم ۱۳۵۸ھ ق میں لکھی گئی۔ اس کتاب کے مقدمہ میں حمد وصلاۃ و دعا کے بعد آیا ہے۔''وبعد: ایک عرصہ ہوا کہ اس بندہ بے مایہ ضعیف نے سوچا تھا کہ اہل بیت عصمت وطہارت علیہم السلام کی حدیثوں میں سے چالیس حدیثیں، جو اصحاب وعلمارضوان اللہ علیہم کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں، جمع کرے اور ہر ایک کی عوام کے مناسب حال شرح کرے اس لئے اس کو فارسی زبان میں لکھا تا کہ فارسی بولنے والے اس سے فائدہ حاصل کریں۔ شاید انشااللہ پیغمبر ختمی مرتبتؐ کی اس حدیث میں شامل ہو جاؤں جس میں آپؐ نے فرمایا:

مَنْ حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَرْبَعِينَ حَدِيثاً- يَنْتَفِعُونَ بِهَا بَعَثَهُ اللَّهُ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقِيهاً عَالِماً.[1]

یہاں تک کہ خدا کا شکر ہے کہ اس کی بہترین توفیق سے اس کو شروع کرنے میں کامیاب ہوا اور خدا سے اتمام

---

[1] صحیفۃ ال إمام الرضا علیہ السلام/ 65 /متن الصحیفۃ

کی توفیق چاہتا ہوں۔ (انہ ولی التوفیق)

میں اس کا کافی ذکر ہے اوراس کے درجات و مراتب بیان کئے ہیں۔لیکن یہاں بھی افادۂ قارئین کے تکملہ کے لئے اورحوالہ سے بچنے کے لئے ان کا کچھ ذکر کرتے ہیں۔

جیسا کہ سابق میں بیان کیا گیا،عبادات و مناسک اوراذکار و اوراد مکمل طور سے تب نتیجہ خیز ہوتے ہیں جب قلب کی صورت باطنہ بن جائیں اور انسان کے باطن ذات کا خمیر ہو جائیں۔ انسان کا ان سے عبودیت کی صورت حاصل کرے اور خودسری و سرکشی سے نکل آئے۔ یہ بھی بیان کیا جاچکا ہے کہ عبادات کے اسرار وفوائد میں سے ایک یہ ہے کہ نفس کا ارادہ قوی ہو جائے اورنفس مادیت پر غلبہ حاصل کرے اور مادی قوتیں نفس کی قدرت وسلطنت کے سامنے مقہور ومسخر ہو جائیں۔نفس ملکوتی کا ارادہ ملک بدن میں اس طرح نافذ ہو کہ قوتیں ویسی ہی مطیع وفرمانبردار ہو جائیں جیسے اللہ کے فرشتے اللہ کے مطیع وفرمانبردار ہوتے ہیں کہ ''ایک لحہ بھی اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کے لئے صادر ہوتا ہے اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔'' [1]

اب ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عبادات کے اسرار اوراہم فوائد میں ایک،کہ اورتمام اسرار وفوائد اسی کا مقدمہ ہیں، یہ ہے کہ تمام مملکت باطن و ظاہر اللہ کے ارادہ کے تحت مسخر ومقہور ہوجائے اوراللہ کے حرکت میں لانے سے حرکت میں آجائے۔نفس کی ملکوتی اورملکی قوتیں اللہ کا لشکر ہوجائیں اورسب کی سب اللہ کے معاملہ میں ملائکہ اللہ کا انداز پیدا کرلیں۔ یہ خود ارادۂ حق میں انسانی قوتوں اورارادوں کو فنا کے ادنیٰ درجات میں سے ایک درجہ ہے اوررفتہ رفتہ اسی پر بڑے بڑے نتائج مترتب ہوتے ہیں۔انسان طبیعی، انسان الٰہی ہوجاتا ہے اورنفس عبادت میں ریاضت کرنے لگتا ہے۔ جنود ابلیس یکسر شکست خوردہ ہوجاتے ہیں اور ٹوٹ جاتے ہیں اور قلب اوراس کی قوتیں حق کے سامنے خم ہوجاتی ہیں۔ اسلام بعض باطنی مراتب کے ساتھ نفس میں نمودار ہوتا ہے اوراس کا نتیجہ دارآخرت میں اپنے اردہ کو حق کے ارادہ و اختیار میں دے دینے کی صورت میں نکلتا ہے کہ حق تعالیٰ اس کے ارادہ کو عالم غیب میں نافذ کرتا ہے اور اس کو اپنی مثل اعلیٰ بنالیتا ہے اور جس طرح خود ذات مقدس جو کچھ ایجاد کرنا چاہتی ہے وہ محض ارادہ کے ساتھ ہی وجود میں آجاتا ہے۔اس بندہ کے ارادہ کو بھی ایسا ہی بنادیتی ہے۔

چنانچہ بعض اہل معرفت نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اہل بہشت کے بارے میں روایت کی ہے کہ ان کے پاس ایک ملک آتا ہے۔ اذن ورود طلب کرتا ہے اوراذن پا کے قریب آتا ہے اور پروردگار کی طرف سے ان کو سلام پہنچا

---

[1] آیۂ شریفہ کا مفہوم ہے جس میں ملائکہ کے بارے میں فرمایا ہے: (لا یعصون اللہ ماامرھم ویفعلون مایؤمرون) سورۂ تحریم/٦

کر ایک خط دیتا ہے، جو شخص بھی اس خط کا مخاطب ہوتا ہے اس کے لئے یہ پیغام اس میں لکھا ہوتا ہے:

من الحیّ القیّوم الّذی لا یموت إلی الحیّ القیّوم الّذی لا یموت. امّا بعد، فانّی اقول للشّیء کن فیکون، و قد جعلتك تقول للشّیء کن فیکون. فقال صلی اللہ علیه و آله: فلا یقول احد من اهل الجنّة للشّیء کن الّا و یکون [1]

حیّ قیوم کی طرف سے جسے موت نہیں آئے گی حیّ قیوم کی طرف سے جسے موت نہیں آئے گی۔ اما بعد، میں جب کسی شے سے کہتا ہوں، ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے۔ میں نے تجھے بھی ایسا ہی کر دیا کہ جس شے کو تو کہے گا کہ ہو جا، وہ ہو جائے گی۔ اس وقت رسول خداؐ نے فرمایا: اہل بہشت میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو کسی شے کے لئے کہے ہو جا، اور وہ ہو نہ جائے)۔

یہ وہ سلطنت الٰہیہ ہے جو بندہ کو اپنا ارادہ ترک کرنے، خواہشات نفسانی کو چھوڑنے اور ابلیس اور اس کے لشکر کی اطاعت سے دور رہنے کے سبب سے ملے گی اور مذکورہ نتائج میں سے ایک بھی کامل حضور قلب کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور اگر قلب عبادت کے وقت غافل اور سہو میں مبتلا ہو تو ایسی عبادت کھیل تماشا کی طرح ہے۔ اس سے حقیقت ظہور میں نہیں آتی اور یقیناً ایسی عبادت سے نفس پر کسی طرح کا اثر پیدا نہیں ہوتا اور جب تک عبادت صورت وظاہر سے آگے بڑھ کر باطن وملکوت تک نہیں پہنچتی، جیسا کہ احادیث میں اسی معنی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ایسی عبادت سے نفس کی قوتیں نفس کے آگے سرنگوں نہیں ہوتی ہیں اور نفس کی سلطنت ان پر غالب نہیں آتی۔ اسی طرح ظاہری و باطنی قوتیں اللہ کے ارادہ کے سامنے بھی خم نہیں ہوتیں اور مملکت حق کی کبریائی کے تحت مقہور نہیں ہوتیں، جیسا کہ واضح ہے۔ اسی سبب سے چالیس بچاس برس عبادت میں گزارنے کے باوجود ہم میں کوئی اثر پیدا نہیں ہوا، بلکہ روز بروز قلب کی تاریکی اور قوتوں کی نافرمانی میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے اور یہ اضافہ ہمارے مادی شوق اور ہوائے نفسانیہ و وساوس شیطانیہ کی اطاعت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ سب صرف اس لئے ہے کہ ہماری عبادتیں بے روح، باطنی شرائط سے عاری اور آداب قلبیہ سے خالی ہیں۔ ورنہ کتاب الٰہی کی آیۂ مبارکہ کی نص کے مطابق ''نماز تو فحشاء و منکر سے روکتی ہے'' [2]

یقیناً یہ نہی ظاہری صوری نہی نہیں ہے۔ لازمی طور سے دل میں ایک چراغ روشن ہونا چاہئے اور باطن میں ایک نور فروزاں ہونا چاہئے۔ جس سے انسان عالم غیب کی طرف راہنمائی حاصل کرے اور ایک الٰہی تنبیہ کرنے والا ہو جو

---

[1] علم الیقین، ج ۲، ص ۱۰۶، تھوڑے اختلاف کے ساتھ

[2] (اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ط) سورہ عنکبوت/ ۴۵۔

انسان کو سرکشی و نافرمانی سے باز رکھے۔

ہم خود کو نمازیوں میں شمار کرتے ہیں اور سالہا سال سے یہ عظیم عبادت ہمارا مشغلہ ہے۔ پھر بھی خود میں وہ نور نہیں دیکھتے اور ہمارا باطن میں ایسا تنبیہ کرنے والا اور ٹوکنے والا نہیں پیدا ہوا: پھر اس روز ہمارا کیا برا حال ہوگا جس روز ہمارے اعمال کی صورتیں اور ہماری کارگزاریوں کا صحیفہ اس عالم میں ہمارے ہاتھ میں دیا جائے گا اور کہا جائے گا (اپنا محاسبہ کرو)[1]

دیکھو! کیا ایسے درگاہ الٰہی میں قبول ہونے کے لائق ہیں؟ اور ایسی نماز اس گنجلک اور تاریک صورت میں بارگاہ کبرائی میں تقرب کا درجہ حاصل کرنے کے قابل ہے؟ اور کیا اس عظیم امانت الٰہی کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہئے؟ اور کیا دشمن خدا شیطان خیانت کار کو اس میں دست درازی کے لئے اس طرح راستہ دے دینا چاہئے؟ آخر وہ نماز جو معراج مومنین اور قربانی متقین ہے۔[2]

تمہیں درگاہ مقدس سے کیوں دور رکھتے ہے اور تقرب الٰہی کی بارگاہ تک کیوں نہیں پہنچنے دیتی؟ کیا اس روز حسرت وندامت، بیچارگی و بدبختی اور خجالت وشرمساری کے علاوہ کچھ اور ہاتھ آسکتا ہے؟ حسر وندامت، جس کی اس دنیا میں مثال نہیں خجالت وشرمساری جس کی نظیر سوچی بھی نہیں جسکتی اس عالم کی حسرتیں پس بھی ہوں ان میں بہر حال ہزار طرح کی امیدوں کا شائبہ پایا جاتا ہے اور یہاں کی شرمساری جلد ہی زائل ہو جاتی ہے۔ برخلاف اس کے وہاں روز بروز حسرت وندامت بڑھتی جاتی ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ[3]

روز حسرت سے ان کو ڈراؤ! جس دن کام تمام ہو جائے۔

گزری باتوں کی تلافی نہیں ہوسکتی اور تلف شدہ زندگی کو پلٹایا نہیں جاسکتا:

يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ.[4]

افسوس! میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا کی جناب میں کی۔

---

[1] یہ اشارہ ہے سورۂ اسرا کی آیت ۱۴ کی طرف جس میں فرماتے ہیں (اقرا کتابك كفیٰ بنفسك اليوم عليك حسيباً)

[2] (الصلاۃ معراج المؤمن) اعتقادات مرحوم مجلسی،ص ۲۹، الصلوۃ قربان کل تقی) نماز ہر پرہیز گار کے لئے تقرب خدا کا وسیلہ ہے، فروع کافی، ج ۳،ص ۲۶۵، کتاب الصلاۃ، حدیث ۶۔

[3] سورۂ مریم/۳۹

[4] سورۂ زمر:۵۶

اے عزیز! آج مہلت اور عمل کا دن ہے۔ انبیاء آئے، کتابیں لائے اور دعوتیں دیتے رہے۔ ان تمام عزت افزائیوں اور ان تمام اذیتوں اور تکلیفوں کے تحمل کے باوجود ہم ان سے متاثر نہیں ہوتے۔ حالانکہ انہوں نے ہم کو خواب غفلت سے بیدار کرنا چاہا اور مادیت کے خمار سے ہشیار کرنے کی کوشش کی ہم کو عالم نور اور نشاۃ بہجت و سرور تک پہنچانا چاہا اور حیات ابدی، نعمات سرمدی اور لذات جاودانی عطا کرنا چاہیں۔ ہلاکت و شقاوت، نار و ظلمت اور حسرت و ندامت سے رہائی دلانا چاہی۔ یہ سب کچھ ہمارے لئے کیا۔ حالانکہ اس میں خود اپنا کوئی فائدہ ان کے پیش نظر نہ تھا اور ان مقدس شخصیتوں کو ہمارے ایمان و اعمال کی کوئی احتیاج نہ تھی۔ شیطان نے ہمارے دل کے کانوں کو اس طرح اپنی گرفت میں لے لیا ہے اور ہمارے باطن و ظاہر کو اس طرح قابو میں کر لیا ہے کہ ان کے مواعظ و نصائح سے ہم پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا بلکہ کوئی آیت اور کوئی حدیث ہمارے دل کے کانوں تک نہیں پہنچ پاتی اور ظاہری حیوانی کانوں سے آگے نہیں بڑھتی۔

الغرض، اے قاری محترم! آپ ان اوراق کا مطالعہ کر رہے ہیں تو ان کے لکھنے والے کی طرح تمام انوار سے خالی، تمام نیک اعمال سے تہی دست اور خواہشات نفسانی میں گرفتار نہ رہیں۔ اپنے حال پر رحم کھائیں اور اپنے زندگی سے کوئی نتیجہ اخذ کریں۔ انبیاء اور اولیائے کاملین کے احوال پر غور کریں اور جھوٹی خواہشوں اور شیطان کے وعدوں کو ٹھوکر ماریں، شیطان کے فریب میں نہ آئیں، اور نفس امارہ سے دھوکہ نہ کھائیں، کیونکہ ان کی سازش بہت گہری ہے۔ یہ ہر باطل کو حق کا رنگ دے کر انسان کو الجھا دیتے ہیں اور اسے دھوکہ میں ڈال دیتے ہیں اور کبھی آخر عمر میں توبہ سے امید دلا کر انسان کو شقاوت کی طرف گھسیٹتے ہیں۔ حالانکہ توبہ عمر کے آخری حصہ میں، جب گناہوں کا بحر ظلمات کے تھپیڑے لے رہا ہوتا ہے اور بندوں اور خدا کے حقوق کا بھاری بوجھ کمر توڑ نا ہوتا ہے، سخت و دشوار اور مشکل ہے۔ آج (عہد شباب میں) جب انسان کی قوعت ارادی قوی اور جوانی کی قوتیں برقرار ہیں، گناہوں کا شجر بار آور نہیں ہوا ہے، شیطان کا تسلط نفس پر پوری طرح نہیں قائم ہوا اور نفس اپنی نئی نئی روحانیت کے ساتھ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت سے قریب ہے، آسان شرطوں پر توبہ کا حصول بھی ممکن ہے اور قبول بھی۔ اس عمر میں گناہوں کا شجر کمزور ہوتا ہے اور اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا آسان ہے۔ نفس اور شیطان کی سلطنت پائیدار نہیں ہوتی اور اس کا تختہ پلٹ دینا کچھ مشکل نہیں۔ مگر شیطان اور نفس انسان کو توبہ نہیں کرنے دیتے اور ایام پیری کے وعدہ پر ٹالے رکھتے ہیں۔ جب جوانی کے برعکس ارادہ کمزور، قوتیں ضعف سے دوچار اور طرح طرح کے گناہوں کا درخت پرانا اور بار آور ہو جاتا ہے اور شیطان کی سلطنت کو ظاہر و باطن میں استقلال و استقرار حاصل ہو چکا ہوتا ہے، مادیات کی محبت شدید اور ملکوت سے فاصلہ طویل ہو چکا ہوتا ہے، فطرت کا نور خاموش اور سرد ہو چکا ہوتا ہے اور توبہ کی شرطیں سخت اور تلخ ہو چکی ہوتی ہیں، فریب خوردگی کے علاوہ یہ سب اور کیا ہے؟

ایسا بھی ہوتا ہے کہ شیطان اور نفس شفاعت کا وعدہ یاد دلا کے انسان کو شافعین علیہم السلام کی بارگاہ قدس سے دور اوران کی شفاعت سے محروم کردیتے ہیں، کیونکہ گناہوں میں ڈوبے رہنے سے دل آہستہ آہستہ سیاہ ہوجاتا ہے اور انسان کو برے انجام تک کھینچ لے جاتا ہے۔ شیطان کا انسان سے ایک ہی لالچ ہے، ایمان کی چوری !! گناہوں میں ڈالنا اس کے نزدیک ایمان کی چوری کا مقدمہ ہے تاکہ آخر میں ایمان کو چرالے جائے اورانسان کو بے ایمان بنادے۔ انسان کو اگر شفاعت کی تمنا ہے تو چاہئے کہ پوری کوشش کرے کہ اس کے شافعین علیہم السلام کے درمیان رابطہ باقی رہے اورشافعان محشر کے احوال پرغور کرے کہ خود ان کا حال، عبادت وریاضت کے معاملہ میں کس منزل تک پہنچا ہوا تھا۔ فرض کیجئے کہ آپ دنیا سے باایمان جائیں گے، لیکن اگر گناہوں اورحقوق کا بارگراں سرپر ہوا تو ممکن ہے کہ برزخ اورقبر میں طرح طرح کے عذاب سے بچانے کے لئے شفاعت حاصل نہ ہوسکے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

''تمہارا برزخ تمہارے ساتھ ہے''[1]

اور برزخ کی سختیوں کا اس دنیا کی سختیوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اورزمانہ برزخ کتنا طویل ہوگا خدا علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ ممکن ہے لاکھوں کروڑوں ملین سال طویل ہو۔ پھرممکن ہے قیامت ہی میں طولانی مدتوں اورطرح طرح کے عذاب کے بعد ہی شفاعت نصیب ہوسکے۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے۔[2]

پس ایسا نہ ہو کہ غرور شیطانی انسان کو عمل صالح سے روکے اورانسان کو بے ایمان بنا کر یا گناہوں کے بارسنگین کے ساتھ دنیا سے جانے پر مجبور کردے اورشقاوت وبدبختی میں گرفتار کردے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ اورحم الراحمین کی رحمت واسعہ کے وعدہ کو یاد دلا کے انسان کا ہاتھ دامن رحمت تک پہنچنے سے روک دیتا ہے اوراس بات سے غافل کردیتا ہے کہ یہ سب بعثت مرسلین، نزول کتب فرشتوں کو بھیجنا، وحی والہام اورطریق حق کی طرف راہنمائی ارحم الراحمین کی رحمت ہی تو ہے۔ خدا کی رحمت سارے عالم کو سایہ میں لئے ہے اورہم چشمہ آب حیات پر کھڑے تشنگی سے ہلاک ہورہے ہیں۔

اللہ کی سب سے بڑی رحمت قرآن ہے۔ اگر ارحم الراحمین کی وسیع رحمت کی آرزو ہے تو قرآن جیسی رحمت سے استفادہ کرنا چاہئے۔ جس میں سعادت تک پہنچنے کا راستہ کھول دیا گیا ہے اور چاہ اورراہ کی پہچان بتادی گئی ہے۔ اب تو آپ خود اپنے پیروں سے چل کر چاہ میں گرتے ہیں اورراہ سے کتراتے ہیں اس میں رحمت کا کیا نقصان ہے؟ اگر قرآن

---

[1] فروع کافی، ج ۳،ص ۲۴۲، اورعلم الیقین، ج ۲،ص ۱۰۵۱، پرعمرو بن یزید کی روایت سے یہی معنی مستفاد ہوتا ہے

[2] من جملہ اور کتابوں کے بحارالانوار، ج ۸،ص ۳۶۲، کتاب العدل والمعاد، باب ۱۲، حدیث ۳۵، ۳۶

کے علاوہ کسی اور طریقہ سے ممکن ہوتا تو لوگوں کو اسی طریقہ سے خیر وسعادت کی نشان دہی کی جاتی کیونکہ رحمت تو بہر حال وسیع ہے، ممکن ہوتا تو جبراً لوگوں کو منزل سعادت تک پہنچا یا جاتا، لیکن افسوس کہ آخرت کا راستہ ایسا راستہ ہے کہ اس کو اپنے اختیار ہی سے طے کیا جا سکتا ہے۔ سعادت زبردستی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ نہ فضیلت بغیر اختیار کے فضیلت ہے۔ نہ عمل صالح بغیر اختیار کے عمل صالح۔ ممکن ہے آیۂ (لا اکراہ فی الدین) کے یہی معنی ہوں۔

ہاں! اس میں جو کچھ اکراہ و اجبار کا دخل ممکن تھا وہ دین الٰہی کی صورت ہے اس کی حقیقت (وجود میں آنا) نہیں، انبیاء علیہم السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ صورت دین جس طرح ممکن ہو لوگوں کے حوالہ کریں تا کہ صورت عالم عدل الٰہی کو صورت اختیار کرے اور لوگوں کی باطن کی طرف راہنمائی کریں تا کہ لوگ خود اپنے قدموں سے اس راہ کو طے کر کے سعادت تک پہنچ سکیں۔

الغرض، یہ بھی ایک شیطانی فریب ہے کہ رحمت ہی کی لالچ دلائے اور انسان کو رحمت ہی تک نہ پہنچنے دے۔

فصل نہم

حضور قلب کے بارے میں حدیثیں

اہل بیت عصمت و طہارتؑ کی کچھ حدیثیں جن میں حضور قلب کی ترغیب دلائی گئی ہے، ہم اس مقام پر بعض روایات کا ترجمہ بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ: ”عبادت خدا اس طرح کرو جیسے اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“ [1]

اس حدیث شریف میں حضور قلب کے مراتب میں سے دو مرتبے معلوم ہوتے ہیں۔

ایک یہ کہ سالک کو جمال جمیل کے مشاہدہ میں اس طرح محو اور تجلیات حضرت محبوب میں یوں مستغرق رہنا چاہئے کہ قلب کے تمام آلات سماعت دیگر موجودات سے ہٹ جائیں اور چشم بصیرت جمال پاک ذوالجلال کی طرف اٹھی ہوئی ہو اور اس کے سوا کچھ نہ دیکھ رہی ہو۔ غرض ایسا مشغول اور حاضر ہو کہ خدا کے سوا حضور و محضر تک سے غافل ہو جائے۔

دوسرا مرتبہ، جو پہلے مقام سے ادانیٰ ہے، یہ ہے کہ خود کو محضر الٰہی میں حاضر دیکھے اور حضور و محضر کے آداب کو ملحوظ رکھے۔ جناب رسول اکرمؐ فرماتے ہیں: ”اگر چاہتے ہو کہ مقام اول پانے والوں میں شامل ہو تو اس کے آداب بجالاؤ، ورنہ اس بات سے غافل نہ رہو کہ اپنے رب کے حضور کھڑے ہو“ یقیناً محضر حق کا ایک ادب ہے جہاں مقام

[1] بحار الانوار، ج ۷۴، ۷۴، کتاب الروضۃ، باب ۴ حدیث ۳، مکارم الاخلاق، ص ۴۵۹

عبودیت سے غفلت نہیں کی جاسکتی۔ اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے جو جناب ابوحمزہ ثمالیؒ نے نقل کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں:

''میں نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو دیکھا کہ آپؑ نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپؑ کی عبادوش سے گر گئی مگر آپؑ نے اس کو درست اور برابر نہ کیا، یہاں تک نماز سے فارغ ہوئے۔ میں نے اس کا سبب پوچھا، فرمایا: ''تم پر افسوس ہے۔ تم جانتے ہو میں کس کی بارگاہ میں تھا؟''[1]

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ:

(میری امت کے دو افراد نماز کے لئے قیام کرتے ہیں۔ اس طرح کہ دونوں کا رکوع اور سجود تو ایک ہوتا ہے مگر ان دونوں کی نماز میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔[2]

حضورؐ نے فرمایا:

''کیا اس شخص کو خوف نہیں معلوم ہوتا جو نماز اپنے صورت کو پھرا لیتا ہے تو اس کی صورت گدھے کی طرح ہوجاتی ہے۔''[3]

حضورؐ ہی نے یہ بھی فرمایا:

''جو شخص دو رکعت نماز ادا کرے اور اس کے درمیان دنیا کی کسی شے کی طرف توجہ نہ کرے خدا اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔''[4]

یہ بھی فرمایا:

'' بعض نمازیں ایسی ہوتی ہیں جو آدھی یا تہائی یا چوتھائی قبول ہوتی ہیں (باقی رد ہوجاتی ہیں) یا ان کا پانچواں حصہ قبول ہو جاتا ہے (اور چار حصے رد ہو جاتے ہیں) یہاں تک کہ دسواں حصہ (قبول ہوتا ہے باقی نو حصے رد وہ جاتے ہیں) بعض نمازیں پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر، جس کی نمازیں ہیں، اس کے منہ پر ماردی جاتی ہیں اور نماز میں تیرا وہی حصہ ہے جو دل سے پیش

---

[1] وسائل الشیعہ، ج ۴، ص ۶۸۸، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۳، حدیث ۶۔

[2] بحار الانوار، ج ۸۱، ص ۲۴۹، کتاب الصلاۃ، باب ۱۶، حدیث ۴۱

[3] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۲، حدیث ۲۰۔

[4] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۲، حدیث ۱۳۔

کرے۔''[1]

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

(رسول خداؐ کا ارشاد ہے: جب بندۂ مومن نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو خدائے تعالیٰ اس کی طرف نظر کرتا ہے۔ یا یوں فرمایا کہ خدائے تعالیٰ اس کے سامنے ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ نماز پڑھ کے واپس ہوجاتا ہے اور اللہ کی رحمت اسکے سر پر سایہ کئے رہتی ہے اور ملائکہ اسکے چاروں طرف ہوتے ہیں افق آسمان تک اور خدائے تعالیٰ ایک فرشتے کو موکل کرتا ہے کہ اس کے سرہانے کھڑا رہے اور کہے: ''اے نماز گزار! اگر تجھے معلوم ہو جائے کہ تیری طرف کو دیکھ رہا ہے اور تو کس سے مناجات کر رہا ہے تو تیری توجہ کسی اور جگہ کی طرف نہ ہو اور اپنی جگہ سے کبھی الگ نہ ہو۔''[2]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ:

''کسی دل میں (خدا کی ملاقات کا) شوق اور (جلال خدا کا) خوف جمع نہیں ہوتا مگر یہ کہ بہشت اس پر واجب ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جب تم نماز پڑھ رہے ہو تو اپنے دل کے ساتھ اللہ کے سامنے حاضر ہو جاؤ، کیونکہ کوئی بندۂ مومن ایسا نہیں ہے جو نماز و دعا میں دل سے اللہ کے سامنے حاضر ہو مگر یہ کہ اللہ مومنین کے دلوں کو اس کے سامنے حاضر کر دیتا ہے۔ (یعنی مومنین کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کر دیتا ہے)۔ اوران کی دوستی سے اس ک مدد کرتا ہے اور اس کو جنت میں داخل کرتا ہے۔''[3]

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''تمہاری نماز میں تمہارا وہی حصہ ہے جو تم نے دل سے ادا کیا ہو لہٰذا اگر غلط ادا کی تمام نماز، یا اس کے آداب سے غفلت برتی تو وہ نماز لپیٹ دی جاتی ہے اور صاحب نماز کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔''[4]

---

[1] بحار الانوار، ج ۸۱، ۲۶۰، کتاب الصلاۃ، باب ۱۶، حدیث ۵۹

[2] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۲، حدیث ۲۲

[3] وسائل الشیعہ، ج ۴، ص ۶۸۷، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۳، حدیث ۳

[4] وسائل الشیعہ، ج ۴، ص ۶۸۷، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۳، حدیث ۱

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

''یقیناً بندہ کی نماز کا آدھا حصہ یا تہائی حصہ یا چوتھائی حصہ یا پانچواں حصہ عالم بالا کی طرف جاتا ہے تو عالم بالا کی طرف اس کے لئے وہی حصہ جاتا ہے جو دل کو حاضر رکھ کر ادا کیا ہے۔ ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ نوافل کے ذریعہ فرائض کا نقص پورا کریں۔'' [۱]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ فرمایا:

''جب نماز کا احرام باندھ لو تو نماز کی طرف توجہ رکھو، کیونکہ جب تم توجہ رکھو گے تو خدا تمہاری طرف توجہ رکھے گا اور اگر تم توجہ ہٹاؤ گے تو خدا تم سے توجہ ہٹالے گا)۔ کبھی کبھی اسی لئے ایسا ہوتا ہے کہ نماز عالم بالا کی طرف نہیں جاتی مگر تہائی یا چوتھائی یا اس کا چھٹا حصہ۔ اسی قدر جتنی نماز گزار نے نماز میں توجہ رکھی ہو اور خدا غافل کو کچھ بھی عطا نہیں فرماتا۔'' [۲]

حضرت رسول خداؐ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ابوذرؓ سے فرمایا:

''دو رکعت نماز اعتدال اور فکر کے ساتھ اس رات بھر کے قیام سے بہتر ہے جو غفلت قلب کے ساتھ ادا کیا ہو'' [۳]

اس سلسلے میں بہت حدیثیں ہیں اور اصحاب اعتبار اور ارباب قلوب بیدار کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

---

[۱] علل الشرائع، ج ۲، ص ۳۲۷، باب ۲۴، حدیث ۲

[۲] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب افعال الصلاۃ، باب ۳، حدیث ۷

[۳]

فصل دہم

حضور قلب حاصل کیجئے

حضور قلب کے فضائل وخواص آپ نے عقل اور نقل سے جان لئے اور اس کو ترک کرنے کے نقصانات بھی سمجھ لئے۔ علم تنہا کافی نہیں ہوتا بلکہ حجت تمام کر دیتا ہے۔ کمر ہمت کس کے جو کچھ جانا اور سمجھا ہے اسے حاصل کرنے کے لئے مستعد ہو جایئے اور علم کو عمل کی شکل دیجئے تا کہ اس سے فائدہ حاصل ہو اور محنت کا پھل ملے۔ ذرا سوچو تو کہ اہل بیت عصمت علیہم السلام کی روایات کے مطابق، جو معاون وحی ہیں، ان کے تمام ارشادات اور علوم وحی الٰہی اور کشف محمدیؐ کے مطابق ہیں، نماز کی قبولیت تمام اعمال کے قبول ہونے کی شرط ہے۔ اگر نماز قبول نہ ہوئی تو دوسرے اعمال کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی۔ [1]

اور نماز توجہ قلب سے قبول ہوتی ہے۔ اگر نماز میں توجہ قلب نہ ہو تو درجہ اعتبار سے ساقط ہوجاتی ہے اور بارگاہ حق میں پیش کئے جانے کے لائق نہیں رہتی اور قبول نہیں ہوتی۔ جیسا کہ احادیث مذکورہ سے معلوم ہوا۔ لہٰذا اعمال کے خزانے کی کنجی اور تمام سعادتوں کا صدر دروازہ حضور قلب ہے۔ اسی سے انسان پر سعادت کے دروازے کھلتے ہیں اور اس کے بغیر کوئی عبادت لائق اعتبار نہیں ہوتی۔

اب ذرا عبرت کی نظر سے غور کرو اور حضور قلب کے مقام کی اہمیت وعظمت کو بصیرت کی آنکھوں سے دیکھو اور

---

[1] قَالَ صلی اللہ علیہ وسلم أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ الْعَبْدُ الصَّلَاةُ فَإِنْ قُبِلَتْ قُبِلَ مَا سِوَاهَا وَإِنْ رُدَّتْ رُدَّ مَا سِوَاهَا۔ فلاح السائل ونجاح المسائل/127/ذکر ما نرید تقدیمہ من طریق الروایات فی تعظیم حال الصلوات..... ص: 126

پوری کوشش و کاوش کے ساتھ اس کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔ سعادت اور جنت کے دروازوں کی کنجی بھی تمہاری جیب میں ہے اور شقاوت اور جہنم کے دروازوں کی کنجی بھی اور اسی دنیا میں !تم جنت اور سعادت کے دروازے بھی اپنے لئے کھول سکتے ہو اور اسکے برعکس بھی کر سکتے ہو۔ سب تمہارے ہاتھ میں ہے۔ خدائے تعالیٰ نے حجت تمام کردی ہے اور سعادت و شقاوت کی راہیں دکھادی ہیں اور ظاہری و باطنی توفیقات عطا فرمادی ہیں۔ اس کی طرف سے جو کچھ آیا اور اس کے اولیاء نے جو کچھ بتایا وہ مکمل ہے۔ اب تو ہمارے قدم بڑھانا کی باری ہے۔ وہ اراہ دکھانے والے ہیں انھوں نے راہ دکھادی۔ ہم راہرو ہیں۔ یہیں راہ چلنا چاہئے۔ انہوں نے اپنا کام پورا کردیا اور بہترین طریقہ سے پورا کردیا کہ کسی کے لئے عذر کی گنجائش نہیں چھوڑی اور ایک لحہ بھی کوتاہی نہیں کی۔ تم بھی غفلت کی نیند سے چونکو اور اپنی سعادت کی راہ طے کرو۔ اپنی عمر اور قوت کو کام میں لاؤ، کیونکہ اگر موقع ہاتھ سے نکل گیا اور عمر و جوانی کا سرمایہ اور قوت و توانائی کا خزانہ ختم ہو گیا تو دوبارہ ہاتھ نہ آئے گا۔ اگر تم جوان ہو تو بڑھاپے کے آنے کی راہ نہ دیکھو، کیونکہ بڑھاپے کی مصیبتوں کو بوڑھے ہی جانتے ہیں، تم کیا جانو؟ حالت پیری وضعف میں اصلاح امور بہت مشکل ہے اور اگر تم بوڑھے ہو تو باقی عمر کو ہاتھ سے نہ جانے دو کہ کچھ بھی ہو جب تک اس دنیا میں ہو سعادت تک پہنچنے کا راستہ موجود ہے اور تمہارے سامنے سعادت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ خدا نہ کرے کہ در بند اور یہ راہ مسدود ہوجائے، کیونکہ پھر اختیار تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا اور گزری ہوئی باتوں پر حسرت وندامت اور افسوس کے سوا کچھ باقی نہ رہ جائے گا۔

لہٰذا اے عزیز! اگر مذکورہ باتوں پر جو انبیاء علیہم السلام کے فرمودات ہیں، ایمان رکھتے ہو اور خود کو تحصیل سعادت اور سفر آخرت کے لئے تیار کر لیا ہے اور حضور قلب کو حاصل کرنا، جو خزانہ سعادت کی کنجی ہے، لازم سمجھ لیا ہے تو اسے حاصل کرنے کی راہ یہ ہے کہ پہلے حضور قلب پیدا ہونے کی رکاوٹوں کو دور کرو اور سلوک کی راہ میں جو کانٹے بچھے ہیں انہیں ہٹاؤ۔ اس کے بعد حضور قلب کی طرف قدم بڑھاؤ۔

عبادات میں حضور قلب سے مانع انتشار ذہن اور واردات قلبی کی کثرت ہے۔ ایسا کبھی خارجی امور اور حواس ظاہرہ سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسے انسان کے کان میں عین عبادت کے دوران کوئی آواز آئے اور دل اس میں الجھ جائے اور یہیں سے باطن میں تخیلات و تفکرات پیدا ہونے لگیں اور قوت واہمہ اور قوت متصرفہ انہیں میں مصروف ہو کر تخیلات و تفکرات کی ایک شاخ سے دوسری شاخ پر پرواز کرنے لگے یا انسان کی آنکھ کچھ دیکھے اور اسی سے انتشار ذہن اور قوت متصرفہ کا انحراف شروع ہوجائے یا سارے ہی حواس کسی چیز کا ادراک کریں اور ایک کے بعد ایک خیال آنے لگے۔ ان امور کے علاج کے لئے اگرچہ (علمانے) فرمایا ہے کہ ان اسباب کو ددور کرنا ہے۔ مثلاً یہ کہ کسی اندھیرے کمرے میں یا تنہا مکان میں بیٹھ جائے اور نماز کے وقت اپنی آنکھوں بند کر لے اور ایسے مقامات پر نماز نہ پڑھے جہاں نظر کسی اور

طرف کھینچے۔ چنانچہ مرحوم شہید ثانیؒ نے بعض عبادت گزاروں کے بارے میں نقل کیا ہے کہ کسی چھوٹے سے تاریک مکان میں جس کی وسعت اتنی تھی کہ اس میں نماز پڑھی جا سکے عبادت کیا کرتے تھے۔[1]۔

لیکن ظاہر ہے کہ اس سے مانع دور نہیں ہوتا اور بنیاد منہدم نہیں ہوتی، کیونکہ خیال کا سب سے بڑا تصرف یہ ہے کہ کسی جزئی منشاو مبدا سے اپنا کام شروع کرتا ہے، بلکہ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ چھوٹے اور تاریک گھر میں واہمہ اور خیال زیادہ تصرف کرتا ہے اور دوسری باتوں کی طرف لہو ولعب اور فضولیات دخل انداز ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اصل مادہ کو خیال و وہم کی اصلاح کر کے ختم کیا جا سکتا ہے۔ ہم بعد میں اس کی طرف اشارہ کریں گے۔ ہاں کبھی کبھی اس طرح کا علاج بھی بعض نفوس کے بے اثر اور فائدہ سے خالی نہیں ہے، لیکن ہم علاج قطعی کی بات کر رہے ہیں اور سبب حقیقی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے بارے میں بحث کر رہے ہیں اور یہ بات مذکورہ طریقہ سے حاصل نہیں ہوتی۔ کبھی انتشار ذہنی کا سبب اور حضور قلب کا مانع امور باطنہ میں سے کوئی امر ہوتا ہے اور اس کے کلی طور پر دو بڑے اسباب ہیں۔ اس طرح کے اہم امور انہیں دو سے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو خود خیال کا ہرزہ گردی اور فرار کا عادی ہوتا ہے، کیونکہ خیال ہے ہی ایسی قوت جو برابر ایک شاخ سے دوسری شاخ فکر پر معلق ہوتی رہتی ہے اور ایک کنگرہ سے دوسرے کنگرہ پر پرواز کرتی ہی رہتی ہے۔ اصل میں اس کا ربط حب دنیا اور ادنیٰ امور اور دنیاوی مال و منال کی طرف توجہ سے ہے، بلکہ خیال کا فرار ہونا خود ایک ایسی مصیبت ہے جس میں تاریک دنیا بھی مبتلا رہتا ہے اور سکون خاطر، طمانینت نفس اور خیال کا ٹھہراؤ حاصل کرنا ایک اہم کام ہے جس کی اصلاح سے قطعی علاج حاصل ہوجاتا ہے بعد میں ہم اس کی طرف اشارہ کریں گے۔ حضور قلب کا دوسرا مانع جہاں سے پیدا ہوتا ہے وہ ہے حب دنیا اور دنیاوی حیثیات سے تعلق خاطر ہے جو تمام خطاؤں کا مرجع اور باطنی امراض کی ماں ہے۔ اہل سلوک کی راہ کا کانٹا اور مصیبتوں کا سرچشمہ ہے اور جب تک دل کا اس سے تعلق رہے گا اور اس کی محبت میں غرق رہے گا قلوب کی اصلاح راہ مسدود اور جملہ سعادتوں کا دروازہ بند رہے گا۔ ہم دو فصلوں کے ذریعہ ان دو بڑے سے مصدر اور دو قوی مانع کو رفع کرنے کے طریقوں کی طرف اشارہ کریں گے۔ انشاء اللہ۔

[1] التنبیہات العلیۃ علی وظائف الصلاۃ القلبیۃ، ص ۱۱۰، مطبوع در مجموعہ افادات شہید ثانیؒ، چاپ سنگی، ۱۳۱۳، خط محمد حسن جرفادقانی

فصل یازدھم

خیال کی ہرزہ گردی کا علاج

خیال کے فرار ہونے اور اس کی لرزہ گردی کے علاج کے لئے نفع بخش دوا جس سے حضور قلب پیدا ہوتا ہے۔

معلوم رہنا چاہئے کہ نفس کی ہر ظاہری اور باطنی قوت قابل تعلیم اور قابل تربیت ہے جس کے لئے مخصوص ریاضت کی ضرورت ہے۔ مثلاً انسان کی آنکھ میں یہ قدرت نہیں ہوتی کہ وہ ایک معین نقطہ یا تیز روشنی جیسے سورج کی روشنی کو دیر تک دیکھتا رہے اور پلک نہ جھپکے، لیکن اگر انسان آنکھ کو تربیت دے لے، جیسا کہ بعض اصحاب ریاضات باطلہ اپنے مقاصد کے لئے کام میں لاتے ہیں، تو ممکن ہے کہ مسلسل چند گھنٹوں تک آفتاب کے گولہ سے نظر ملائے رہے اور نہ پلک جھپکائے نہ تھکن محسوس کرے۔ اسی طرح ایک مبین نقطہ پر نظر جمائے رہے اور بغیر حرکت کئے گھنٹوں اسی حالت پر ٹھہرا رہے۔ اسی طرح دوسری ساری قوتوں کو تربیت دے سکتا ہے، یہاں تک گھنٹوں سانس کو روکے رکھ سکتا ہے، جیسا کہ اس سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے، ریاضات باطلہ کرنے والوں میں ایسے لوگ ہیں جو متعارف عرصہ سے کہیں زیادہ سانس روکے رہتے ہیں۔

قابل تربیت قوتوں میں قوت خیال اور قوت واہمہ بھی ہے جو تربیت سے پہلے تو ایسی چڑیا کی طرح ہوتے ہیں جو سخت فرار اور بے حد متحرک رہتی ہے اور ایک شاخ سے دوسری شاخ پر اور ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف پھدکتی رہتی ہے کہ اگر ایک منٹ کے لئے حساب لگائے تو پتہ چلے گا کہ مسلسل تبدیلیاں اور نقل و حرکت انتہائی مہمل اور کمزور مناسبتوں کے ساتھ ظاہر ہو رہی ہیں۔ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ طائر خیال کو گرفت میں لینا اور رام کرنا امکان سے باہر ہے اور محال عادی ہے، لیکن ایسا نہیں ہے، ریاضت و تربیت اور کچھ وقت صرف کرنے کے بعد اسے رام کیا جاسکتا ہے

اور طائر خیال کو گرفت میں لیا جاسکتا ہے کہ پھر وہ اختیار اور ارادہ کے تحت حرکت کرے کہ جب انسان چاہے اس کو کسی مقصد کے لئے بند کر لے اور چند گھنٹوں کے لئے اسے ایسی مقصد کے لئے بند کئے رہے۔

خیال کو قابو میں کرنے کا سب سے عمدہ طریقہ اس کے خلاف عمل کرنا ہے۔ یہ اس طرح کہ انسان نماز کے وقت خود کو تیار کرے کہ نماز میں خیال قابو میں رکھے اور اسے ادھر اُدھر نہ جانے دے اور جیسے ہی انسان کے قابو سے نکلنا چاہے اسے پھر نماز کی طرف پلٹا لائے۔ نماز کی تمام حرکات وسکنات اور اذکار و اعمال میں خیال کی حالت پر نظر رکھے رہے اور اس کے حال کی تفتیش کرتا رہے اور اسے سرکشی نہ کرنے دے۔

ابتداً یہ کام دشوار نظر آئے گا، لیکن ایک مدت کے بعد لازمی طور پر رام ہو جائے گا اور ریاضت پر آمادہ ہو جائے گا۔ یہ توقع نہ رکھئے گا کہ آغاز ہی میں نماز کی ابتدا سے لے کر انتہا تک طائر خیال قابو میں رہے گا۔ جی نہیں! ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا، ناممکن ہے اور شاید جن لوگوں نے خیال کا قابو میں آنا محال سمجھا ہے انہوں نے ایسی ہی توقع کی ہے، لیکن صحیح طریقہ یہ ہے کہ یہ عمل انتہائی تدریجی انداز میں صبر اور ہمت سے انجام دیا جانا چاہئے۔ ممکن ہے ابتدا میں نماز کے صرف دسویں حصہ میں یا اس سے بھی کم خیال کو پابند بنایا جاسکے اور اسی قدر حضور قلب حاصل ہو سکے، لیکن آہستہ آہستہ انسان اگر اسی فکر میں لگا رہے اور خود کو اس کا محتاج سمجھے تو زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرے گا اور رفتہ رفتہ وہم کے شیطان اور خیال کے طائر پر غالب آجائے گا کہ نماز کے بیشتر حصول میں ان کی عنان اختیار اپنے ہاتھ میں لئے رہے گا اور انسان کو مایوس تو کبھی ہونا ہی نہ چاہئے، کیونکہ مایوسی تمام کاہلیوں اور کمزوریوں کا سرچشمہ ہے، جب کہ امید کی روشنی انسان کو کمال سعادت تک پہنچا دیتی ہے۔

لیکن اس بارے میں سب سے عمدہ اور مفید چیز احتیاج کا احساس ہے جو ہم میں بہت کم ہے۔ ہمارا دل باور ہی نہیں کر رہا ہے کہ عالم آخرت کا سرمایہ سعادت اور لامحدود زمانے کی زندگی کا وسیلہ نماز ہے۔ ہم نماز کو اپنی زندگی کا بوجھ سمجھتے ہیں اور زبردستی تھوپی گئی بے کار اور مصیبت سمجھتے ہیں۔ کسی شے کی محبت تب پیدا ہوتی ہے جب اس کے خوشگوار نتائج معلوم ہوں۔ ہم دنیا سے اس لئے محبت کرتے ہیں کہ اس کا نتیجہ سمجھ چکے ہیں اور دل کو اس نتیجہ پر ایمان ہے۔ لہٰذا اسے حاصل کرنے کے لئے نہ دعوت کے محتاج ہیں نہ وعظ ونصیحت کے۔

جن لوگوں کو یہ گمان ہے کہ نبی ختمی مرتبت رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے دو پہلو ہیں۔ ایک دنیاوی اور دوسرا اخروی اور اسی کو صاحب شریعت کی عظمت اور ان کی نبوت کا کمال سمجھتے ہیں۔ انہیں دین و دیانت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم اور دعوت و مقصد نبوت سے یکسر عاری اور بے خبر ہیں۔ دنیا کی طرف دعوت دینا انبیائے کرامؑ کے مقصد سے بالکل خارج ہے۔ دنیا کی طرف دعوت دینے کے لئے شہوت وغضب کی حس اور شیطان ظاہر و باطن بہت ہیں۔ اس کے

لئے انبیاء کومبعوث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔شہوت غضب کے انتظام کے لئے قرآن ونبی کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ انبیاء تو لوگوں کو دنیا میں پڑنے سے روکتے ہیں اورشہوت وغضب کی آزادی کومحدود ومقید کرتے ہیں۔منافع کے حصول کے موارد کی حد بندی کرتے ہیں۔غافلوں کوگمان ہے کہ وہ دنیا کی طرف دعوت دیتے ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ مال ہرراہ سے حاصل نہ کرو اورشہوت کی آگ کو ہرطریقہ سے نہ بجھاؤ بلکہ نکاح کرو۔تجارت کرو، زراعت کرو،کوئی ہنرسیکھو۔حالا نکہ شہوت وغضب کا دروازہ تو کھلا رہتا ہے۔وہ اس کھلے دروازہ کی نگرانی کرتے ہیں۔نہ کہ دنیا کی طرف دعوت دیتے ہیں۔تجارت کی طرف دعوت کی روح حصول دنیا کی مقید کرنا اور باطل و ناجائز چیزوں کو حاصل کرنے سے روکتا ہے اورنکاح کی دعوت مادیت کو حدبندی، گناہ سے بچانا اورقوت شہوت کی آزادی کی نگرانی۔ہاں! یقیناً وہ حصول دنیا کے سرے سے مخالف نہیں ہیں، کیونکہ ایسا کرنا ایک مکمل نظام سے مطابقت نہیں رکھتا (اوراسلام ایک مکمل نظام ہے)۔

الغرض ہم چونکہ دنیا کی احتیاج کا احساس کرچکے ہیں اوراسے سرمایہ حیات اورسرچشمہ لذات سمجھ بیٹھے ہیں،لہٰذا اس حاضر وموجود کی طرف متوجہ رہتے ہیں اوراسے حاصل کرنے میں کوشاں رہتے ہیں،لیکن اگرآخرت پرایمان پیدا کر لیں اور وہاں کی زندگی کی ضرورت کا احساس کرلیں اورعبادات،خصوصا نماز،کواس عالم کےعیش وآرام کا سرمایہ اوراس زندگی کی سعادت کا سرچشمہ سمجھ لیں تو یقیناً اسے حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنے لگیں اوراس سعی وکوشش میں کوئی زحمت اوررنج وتکلف اپنے اندر نہ پائیں، بلکہ پورے ذوق وشوق کے ساتھ اس کی تحصیل میں لگ جائیں اوراس کے حصول وقبول کے شرائط بھی جان ودل سے پورے کرنے لگیں۔

یہ سردمہری اورسست گامی جو ہمارے اندر پائی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا ایمان ہی سردوست ہے۔ ورنہ اگرانبیاء واولیاء علیہم السلام کی احادیث اورحکماء کے براہین اور بزرگوں کے ادلہ سے ہم میں احتمال بھی پیدا ہوگیا ہوتا تو ہم اس سے بہتر کوشش وکاوش کرتے۔مگر ہزارقسم کے افسوس کا مقام ہے کہ شیطان نے ہمارے باطن پر تسلط حاصل کرلیاہے اورہمارے دل کی قوتوں اور باطن کے کانوں پر قبضہ جمائے ہے۔خدااوراس کے رسولوں کے ارشادات، علما کے فرمودات اورکتب الٰہی کی مواعظ کو ہمارے کانوں اوردلوں تک پہنچنے نہیں دیتا۔ایسی صورت میں ہمارے کان ایک دنیاوی جاندار کے ایسے کان ہیں اورحق کی نصیحتیں ظاہری حد سے اورحیوانی کانوں سے آگے بڑھ کر ہمارے باطن تک نہیں پہنچ پاتیں:

ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ۔[1]

[1] سورہ ق/ ۳۷۔

یہ اس کے لئے ہے جو دل (آگاہ) رکھتا ہو یا پوری طرح گوش سماعت کو (کلام حق کے) حوالہ کردے۔

سالک راہ خدا ور مجاہد فی سبیل اللہ کا یہ بھی ایک بڑا فریضہ ہے کہ مجاہدہ وسلوک کے دوران نفس پر بھروسہ کرنے سے قطعی طور پر ہاتھ کھینچ لے اورفطری انداز میں مسبب الا سباب کی طرف متوجہ رہے اورخلقی طور پر مبدا حقیقی (خدا) سے تعلق پیدا کرلے اوراس وجود مقدس سے نگہداری اور حفاظت کی دعا مانگے۔ اسی کی دستگیری پر اعتماد کرے اورخلوتوں میں اس کے حضورت میں تضرع و زاری اورفریاد کرے اور اپنے اصلاح حال کی کوشش کے ساتھ اس سے اصلاح حال کی توفیق مانگے، کیوں اس کی ذات پاک کے علاوہ اورکہیں پناہ نہیں ہے۔

والحمدللہ

فصل دوازدہم

حب دنیا سے انتشار ذہنی پیدا ہوتا ہے

اس بات کی طرف اشارہ کہ دنیا کی محبت خیال کے انتشار کا مصدر اور حضور قلب سے مانع ہے اور بقدر ممکن اس کے علاج کا بیان۔

معلوم رہے کہ فطرت وخلقت کے اعتبار سے قلب جس چیز سے بھی علاقہ اور محبت پیدا کر لے، اس کی توجہ کا قبلہ وہی محبوب ہے اور اگر کوئی مشغولیت حال محبوب اور جمال مطلوب کے بارے میں تفکر سے مانع ہو جائے تو مشغولیت کم ہوتے ہی مانع دور ہو جاتا ہے اور قلب فوراً اپنے محبوب کی طرف پرواز کر کے پھر اسی کے دامن سے لپٹ جاتا ہے۔ اہل معرفت اور صاحبان جذبہ الٰہیہ اگر قوت قلب کے حامل ہوں اور جذبہ ومحبت میں متمکن ہوں تو ہر آئینہ میں وہ جمال محبوب کا اور ہر موجود میں کمال مطلوب کا مشاہدہ کرتے ہیں

مَا رَأَيْتُ شَيْئاً اِلّا وَرَأَيْتُ اللّٰهَ فيهِ وَمَعَه. [1]

کوئی چیز میں نے نہیں دیکھی مگر یہ کہ اس میں اور اس کے ساتھ خدا کو دیکھا۔

اور اگر ان کے سرور وسردار نے یہ فرمایا ہے کہ:

لَيُغانُ عَلى قَلْبى وَ إِنّى لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فى كُلِّ يَوْمٍ سَبْعينَ مَرَّةٍ. [2]

---

[1] منقول از امیر المومنین ؑ علم الیقین، ج ۱، ص ۴۹

[2] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب الذکر، باب ۲۲، حدیث ۱

کبھی کبھی میرے دل پر ایک غبار سا بیٹھ جاتا ہے اور میں ہرروز ستر بار خدا سے استغفار کرتا ہوں۔

تو اس لئے فرمایا ہے کہ جمال محبوب کو آئینہ میں، خصوصاً دھندلے آئینہ میں جیسے ابوجہلی آئینہ میں دیکھنا کاملین کے لئے کدورت ہے اور اگر ان کا دل قوی نہ ہو اور کثرت میں اشتغال حضور قلب سے مانع ہوجائے تو جیسے ہی یہ اشتغال ہوتا ہے ان کا طائر قلب اپنے آشیانہ قدس کی طرف پرواز کرجاتا ہے اور جمال جمیل میں محو ہوجاتا ہے۔

طالبان غیرحق بھی، جب اہل معرفت کی نظر میں سب کے سب طالب دنیا ہیں، جو بھی ان کا مطلوب ہے، اسی کی طرف متوجہ اور اسی سے متعلق رہتے ہیں۔ وہ بھی اپنے مطلوب کی محبت میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں اور حب دنیا نے ان کے دلوں کی تمام قوتوں کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ کسی وقت بھی دنیا کی محبت سے علیحدہ نہیں ہوتے اور ہر حال اور ہر چیز میں اپنے محبوب کا جمال دیکھتے ہیں اور اگر ان کی محبت ذرا کم ہوجائے تو فرصت پاتے ہی ان کا قلب محبوب کی طرف مڑجاتا ہے۔ وہ لوگ جن کے دل میں مال اور ریاست وشرف کی محبت ہے، خواب میں بھی اپنے محبوب ہی کو دیکھتے ہیں اور بیداری میں بھی اپنے محبوب کے ساتھ وقت گزارتے ہیں اور جب وہ دنیا میں مشغول ہوتے ہیں تو گویا اپنے محبوب سے بغلگیر رہتے ہیں اور جب نماز کا وقت آتا ہے تو یوں کہنا چاہئے کہ تکبیرۃ الاحرام ان کی دوکان کی کنجی بن جاتی ہے یا ان کے اور ان کے محبوب کے درمیان حائل پردہ کو ہٹادیتی ہے۔ بس اس وقت ہوش میں آتے ہیں جب سلام پھیرتے ہیں۔ وہ بھی اس طرح کہ کوئی توجہ اس کی طرف نہیں رکھے ہوتے ہیں اور ساری نماز فکر دنیا میں مخلوط ہوتی ہے۔ یہ ہے وہ ظلمت و کدورت کا اثر جس کے علاوہ چالیس بچاس سال کی نمازوں سے اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا اور جو تقرب حق کی معراج اور اس کی بارگاہ پاک سے انس کا سرمایہ ہونا چاہئے تھی وہی ساحت تقرب سے مہجور اور مقام انس تک عروج پانے سے ہمیں میلوں دور کردیتی ہے۔ اگر نماز میں بندگی کی ذرا بھی بو ہوتی تو اس کا نتیجہ خاکساری وتواضع اور فروتنی کی شکل میں نکلتا نہ کہ خود پسندی خود فروشی اور کبر ونخوت کی صورت میں جو سب کے سب انسان کی ہلاکت و شقاوت کے مستقل اسباب ہیں اور ان میں سے ہر ایک بدبختی وتباہی کا ایک انفرادی سبب ہے۔

الغرض چونکہ ہمارا دل محبت دنیا سے آمیزش رکھتا ہے اور دنیا بنانے کے سوا اور کوئی مقصد ومقصود نہیں ہے، لہٰذا قہری طور پر یہ محبت دنیا فراغت وحضور قلب سے مانع ہوجاتی ہے اور علم وعمل دونوں سے اس مہلک مرض اور گھر اور گھرانوں کو برباد کرنے والے اس فساد کا علاج نفع بخش ہے۔

وہ علم جو اس مرض کے علاج کے لئے نفع بخش ہے، وہ اس کے نتائج پر نظر رکھنا، ان کے اور ان سے پیدا ہونے

والے نقصانات اور تباہیوں کے درمیان تقابل کرنا ہے۔ مؤلف نے شرح (اربعین) میں اس موضوع سے متعلق ایک شرح لکھی ہے اور بقدر امکان تفصیلات بیان کی ہے۔ اس مقام پر بھی اہلبیت عصمتؑ کی بعض احادیث کی شرح پر اکتفا کر رہا ہوں۔

فی الکافی عن ابی عبد اللّٰہ- علیہ السلام- قال: رَأْسُ کُلِّ خَطیئَةٍ حُبُّ الدُّنیا.[1]

کتاب الکافی میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہر خطا کا منشا و مصدر دنیا کی محبت ہے

اور بھی کثیر روایات اس مضمون کی عبارت کے اختلاف کے ساتھ وارد ہوئی ہیں۔[2]

جاگتے ہوئے انسان کے لئے یہی ایک حدیث شریف کافی ہے اور اس بڑی مہلک خطا سے بچنے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ تمام خطاؤں کا سرچشمہ اور تمام فسادات کی اصل و بنیاد دنیا کی محبت ہے۔ تھوڑے تامل سے تقریباً تمام اخلاقی اور اعمالی مفاسد اسی شجرۂ خبیثہ کے برگ و بار ہیں۔ کوئی جھوٹا مذہب اور باطل دین ہو اس دنیا میں اس کی بنیاد اسی سے پڑی ہے اور کوئی فساد دنیا میں پیدا نہیں ہوا مگر اس کے پیدا ہونے، اسی کی تباہ کاریوں کا دخل ہے۔ قتل و غارت، ظلم و زیادتی اسی ایک غلطی کے نتائج ہیں۔ فجور و فحشاء (گناہگاری، بدکاری، جھوٹ، حق کی نافرمانی، تباہ کاری حد سے بڑھی ہوئی برائیاں، بدترین کردار و گفتار) چوری اور تمام سختیوں اور مصیبتیں فساد کے اسی جرثومہ سے جنم لیتی ہیں۔ محبت دنیا میں پڑا ہوا انسان تمام معنوی فضائل اور روحانی شمائل سے دور ہوتا ہے۔ شجاعت و بہادری، عفت و پاک دامنی، سخاوت و کرم اور عدالت و انصاف، جن سے تمام فضائل نفسانیہ کی ابتدا ہوتی ہے، دنیا کی محبت کے ساتھ جمع نہیں ہوتے۔ معارف الٰہیہ، اسمائے وصفات اور افعال و ذات میں توحید، حق جوئی وحق بینی، محبت دنیا کی ضد ہیں۔ طمانینت نفس، سکون خاطر اور راحت قلب، جو دونوں جہاں کی روح سعادت ہیں، دنیا کی محبت کے ساتھ جمع نہیں ہوتے۔ استغنائے قلب، عزت وعظمت نفس، حریت و آزادی کا حصول دنیا سے بے اعتنائی کے نتیجہ ہی ہوتا ہے۔ جب کہ محتاجی اور ذلت، حرص اور لالچ، کمزوری اور چاپلوسی محبت دنیا کے لوازم ہیں۔ عطوفت و رحم، میل جول، باہمی مودت و محبت، دنیا کی محبت سے مختلف ہیں۔ بغض و کینہ، ظلم و جور، قطع رحم، نفاق اور دوہرا کردار اور دوسرے فاسد اخلاق و اطوار اسی ام الامراض کی اولاد ہیں۔

---

[1] اصول کافی، کتاب الایمان والکفر، باب حب الدنیا والحرص علیہا، حدیث ۱

[2] باب مذکورہ کی تمام روایات نمبر ۱، سے نمبر ۷ تک کے لئے سابقہ حوالہ کی طرف رجوع کریں

وفی مصباح الشریعة. الدُّنْيَا بِمَنْزِلَةِ صُورَةٍ رَأْسُهَا الْكِبْرُ وَ عَيْنُهَا الْحِرْصُ وَ أُذُنُهَا الطَّمَعُ وَ لِسَانُهَا الرِّيَاءُ وَ يَدُهَا الشَّهْوَةُ وَ رِجْلُهَا الْعُجْبُ وَ قَلْبُهَا الْغَفْلَةُ وَ كَوْنُهَا الْفَنَاءُ وَ حَاصِلُهَا الزَّوَالُ فَمَنْ أَحَبَّهَا أَوْرَثَتْهُ الْكِبْرَ وَ مَنِ اسْتَحْسَنَهَا أَوْرَثَتْهُ الْحِرْصَ وَ مَنْ طَلَبَهَا أَوْرَثَتْهُ الطَّمَعَ وَ مَنْ مَدَحَهَا أَلْبَسَتْهُ الرِّيَاءَ وَ مَنْ أَرَادَهَا مَكَّنَتْهُ مِنَ الْعُجْبِ وَ مَنْ رَكَنَ إِلَيْهَا أَوْلَتْهُ الْغَفْلَةَ وَ مَنْ أَعْجَبَهُ مَتَاعُهَا أَفْتَنَتْهُ وَلَا تَبْقَى وَمَنْ جَمَعَهَا وَبَخِلَ بِهَا رَدَّتْهَا إِلَى مُسْتَقَرِّهَا وَهِيَ النَّار [1]

دنیا اس جسم کی طرح ہے جس کا سر تکبر، آنکھ لالچ، کان طمع، زبان ریا کاری وخودنمائی، ہاتھ شہوت، پاؤں خود پسندی، دل غفلت و بے خبری، ووجود وعدم، اوراس کا نتیجہ زوال ہے۔ پس جو اس سے محبت کرتا ہے اسے تکبر وخود بینی دیتی ہے، جو اسے اچھا سمجھتا ہیا سے حرص وطمع پیش کرتی ہے اور جو اس کی طلب میں رہتا ہے اسے حرص وطمع میں ڈال دیتی ہے، جو اس کی تعریف کرتا ہے اسے ریا کاری کا لباس پہناتی ہے، جو اس سے ارادت رکھتا ہے اسے خود پسندی وخود بینی میں گرفتار کرتی ہے، جو اس پر بھروسہ کرتا ہے اسے غافل کر دیتی ہے، جسے اس کا مال ومتاع پسند آجائے اسے فنا کر دیتی ہے، اور جو دنیاوی مال ومتاع کو ذخیرہ کرتا ہے اور کنجوسی سے کام لیتا ہے اس کی قرار گاہ (قبر) کی طرف آگ بھیج دیتی ہے۔

دیلمی نے ارشاد قلوب میں حضرت امیر المومنینؑ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''شب معراج خدائے تعالیٰ نے فرمایا: اے احمد! اگر کوئی بندہ اہل آسمان وزمین کی نمازوں کے برابر نمازیں پڑھے، ان کے روزوں کے برابر روزے رکھے، ملائکہ کی طرح غذا کو ترک کردے، عبادت گزاروں کا لباس پہنے تب بھی میں اس کے دل کے اندر دیکھتا ہوں کہ محبت دنیا کا کوئی ذرہ یا شہرت کا شوق یا اقتدار کی خواہش یا ریا کاری یا زینت دنیا کی طلب تو نہیں ہے، کیونکہ یہ چیزیں ہوں تو میرے ساتھ نہیں رہ سکتا اور میں اپنی محبت اس کے دل سے نکال باہر کرتا ہوں۔ اسکے دل کو تاریک کر دیتا ہوں تاکہ مجھے بھول جائے اور اپنی محبت کی مٹھاس اسے چکھنے نہیں دیتا۔ [2]

اچھی طرح واضح ہے کہ دنیا کی محبت خدا کی محبت کے ساتھ جمع نہیں ہوتی۔ اس سلسلہ میں اس قدر حدیثیں ہیں

---

[1] مصباح الشریعہ، باب ۳۲، فی صفۃ الدنیا

[2] ارشاد قلوب، ج۱، ص ۲۰۶

کہ ان صفحات میں ان سب کے لئے گنجائش نہیں ہے۔

جب معلوم ہو گیا کہ دنیا کی محبت ہی تمام مفاسد کا منشاو مصدر ہے تو صاحب عقل اور اپنی سعادت سے دلچسپی رکھنے والے انسان کے لئے لازم ہے کہ اس درخت کو اپنے دل (کی زمین) سے اکھاڑ کر پھینک دے۔

اس بیماری کے علاج کا عملی طریقہ یہ ہے کہ محبت دنیا کے برخلاف عمل کرے۔ پس اگر مال ومنال سے دلچسپی رکھتا ہے تو ہاتھ کھلا رکھے اور واجب ومستحب صدقات ادا کر کے محبت دنیا کو دل سے نکالے اور صدقات کی ادائیگی کا ایک راز دنیا سے تعلق کو کم کرنا ہے۔ اسی لئے مستحب ہے کہ انسان جس چیز کو دوست رکھتا ہے اور اس سے تعلق خاطر ہو، اس کو صدقہ کر دے۔ چنانچہ کتاب الٰہی میں ارشاد ہے:

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۚ[1]

ہر گز تم نیکی اور (اللہ کے احسان) تک نہ پہنچو گے جب تک وہ چیز راہ خدا میں نہ دے دوست جسے تم دوست رکھتے ہو۔

اور اگر فخر وتقدم اور ریاست واقتدار اور بڑا سمجھے جانے کا شوق ہے تو ان کے برخلاف کرے اور نفس امارہ کے دماغ کو خاک میں ملا دے تا کہ اصلاح ہو جائے۔

انسان کو جان لینا چاہئے کہ دنیا ایسی ہی ہے کہ جتنا زیادہ اس کے پیچھے پڑو گے اور اس کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے میں لگے رہو گے، اتنا ہی اس سے زیادہ علاقہ پیدا ہوتا جائے گا اور جب نہ ملے گی تو افسوس بھی روز بروز بڑھتا جائے گا۔ یوں کہنا چاہئے کہ دنیا کی طلب ایسی طلب ہے جس کا حاصل ہونا انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ انسان گمان کرتا ہے کہ میں بس فلاں حد تک دنیا کا طالب ہوں اس سے آگے نہیں اور جب تک اس حد تک نہیں پالیتا ہے اس پانے میں لگا رہتا ہے۔ اس راہ میں تکلیفیں جھیلتا ہے اور خود کو تباہیوں میں ڈالتا ہے۔ جیسے ہی دنیا کسی حد تک مل جاتی ہے تو اب اسے عادت پڑ جاتی ہے اور اس کا عشق وعلاقہ دوسری چیز سے مربوط ہو جاتا ہے جو اس سے بالاتر ہے اور خود کو اب بالاتر کے حاصل کرنے کے لئے زحمت ومشقت میں ڈالتا ہے اور یہ عشق کہیں رکھنے کا نام نہیں لیتا، بلکہ ہر لحہ بڑھتا ہی جاتا ہے اور زحمت ومشقت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس فطرت وجبلت کو ہر گز قرار نہیں ہے۔ اہل معرفت نے اسی فطرت سے بہت سے معارف کا اثبات کیا ہے، جن کو بیان کرنے کا ان اوراق میں حوصلہ نہیں ہے۔ ان مطالب کی طرف بعض احادیث میں اشارہ ہوا ہے۔ چنانچہ کافی شریف میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ:

---

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۹۲

''دنیا کے حریص کی مثال ریشم کے کیڑے کی ہے جس قدر بھی وہ اپنے چاروں طرف (لعاب کے تار) سے لپیٹتا جاتا ہے اسی قدر اس جال سے چھٹکارا پانے سے دور ہوتا جاتا ہے اور ایک دن اسی غم میں مرجاتا ہے۔[1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

''دنیا کی مثال دریا کے پانی کی ہے کہ جتنا زیادہ انسان پیتا ہے اس کی پیاس اور بھڑکتی جاتی ہے، یہاں تک یہی پانی اسے پیاسا مارڈالتا ہے۔[2]

---

[1] اصول کافی، ج ۳، ص ۲۰۲، کتاب الایمان والکفر، باب ذم الدنیا و الزھد فیھا، حدیث ۲۰، اور باب حب الدنیا والحرص علیھا، حدیث ۷

[2] حوالہ سابق، حدیث ۲۴

تتمیم

نفس کا رخ دنیا کی طرف سے موڑے رہے

اے طالب حق ! اور اے سالک راہ خدا ! جب تم نے طائر خیال کو گرفت میں لے لیا اور واہمہ کے شیطان کو زنجیر پہنادی اور زن وفرزند سمیت دنیا کے تمام احوال کی نعلین اتار دی اور اللہ کے فطری عشق کی چنگاری سے انس پیدا کر لیا اور (انی آنست ناراً)[1]

کہہ دیا اور خود کو سیر کے موانع سے خالی پالیا اور اسباب سفر فراہم کر لئے تو اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہو اور اس مادی اندھیر نے گھر اور دنیا کی تنگ و تاریک گزرگاہ سے ہجرت کر جاؤ۔ زمانے کی زنجیروں اور ہتھکڑیوں بیڑیوں کو توڑ ڈالو اور اس زندان سے خود کو آزاد کرلو اور طائر قدس کو محفل انس کی طرف پرواز دو۔

تورا ز کنگرۂ عرش می زنند صفیر
ندانمت کہ در این دام گہ چہ افتاد ست[2]
صدائیں عرش سے دیتے ہیں ہمسفر تجھے!

---

[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنے عیال سے گفتگو کا ایک حصہ
اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى.
جب انہوں نے (دُور سے) آگ دیکھی تو اپنے گھر کے لوگوں سے کہنے لگے کہ تم لوگ (ذرا یہیں) ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے کیا عجب ہے کہ میں (وہاں جاکر) اس میں سے ایک انگارا تمہارے پاس لے آؤں یا آگ کے پاس کسی راہ کا پتہ پاجاؤں (سورۂ طٰہٰ:۱۰)

[2] یہ شعر حافظ شیرازی کا ہے۔

پتہ نہیں، تجھے اس دام کی پڑی کیوں ہے ؟

لہٰذا اپنے (عزم) کو مستحکم کرو اور قوت ارادی کو مضبوط بناؤ کیونکہ سلوک کی پہلی شرط عزم ہے اور عزم کے بغیر راہ طے نہیں ہوسکتی اور کمال تک رسائی ممکن نہیں۔ شیخ بزرگ شاہ آبادی روحی فداہ عزم کو مغز انسانیت سے تعبیر کرتے تھے، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ تقویٰ اور خواہشات نفسانی سے بچنے، ریاضیات شرعیہ اور عبادات ومناسک الٰہیہ کے نکات میں سے ایک نکتہ قوت عزم اور ملکی قوتوں کا ملکوت نفس کے زیر اثر مقہور ہوجانا ہے، جیسا کہ اس سے قبل ذکر ہوچکا، اب ہم اس مقالہ کو ذات پاک کبیریا جل جلالہ کی حمد وتسبیح اور سید مصطفیٰ نبی مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت پر تمام کرتے ہیں اور ان ذوات مقدسہ کی روحانیت سے تائید چاہتے ہیں اس سفر روحانی اور معراج ایمانی کے لئے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

أُوصِيكُمْ بِأَهْلِ بَيْتِي خَيْراً فَقَدِّمُوهُمْ وَ لَا تَقَدَّمُوهُمْ وَ أَمِّرُوهُمْ وَلَا تَأَمَّرُوا عَلَيْهِمْ. [1]

میں تمہیں اپنے اہل بیت کے ساتھ بہترین سلوک کی وصیت کرتا ہوں ان کو اپنے آگے رکھنا خود کو ان کے آگے مت کرنا ان کے حکم لینا انہیں حکم نہ دینا۔

[1] بحار الأنوار (ط-بیروت)/ ج28 / 222 / باب 4 شرح انعقاد السقیفة وکیفیة السقیفة ص:175

مقالۂ ثانیہ

نماز کے مقدمات اور بعض آداب قلبیہ

اس میں چند مقاصد ہیں

اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ الْقِیَامَةِ اِضَاعَةُ الصَّلاةِ وَ اتِّبَاعُ الشَّهَوَاتِ وَ الْمَیْلُ مَعَ الْاَهْوَآءِ وَ تَعْظِیْمُ الْمَالِ وَبَیْعُ الدُّنْیَا بِالدِّیْنِ
فَعِنْدَهَا یُذَابُ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ فِیْ جَوْفِهٖ کَمَا یُذَابُ الْمِلْحُ فِی الْمَآءِ مِمَّا یَرٰی مِنَ الْمُنْکَرِ فَلا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّغَیِّرَہٗ۔ [1]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:
نماز کو ضائع کرنا، خواہشات نفس کی پیروی کرنا، ہوا و ہوس کی طرف مائل ہونا، مال کی تعظیم کرنا اور دین کو دنیا کے عوض میں بیچ دینا (یہ سب قیامت کے قریب ہونے کی نشانیاں ہیں)
اس وقت جس طرح نمک، پانی کے اندر گھل جاتا ہے مومن کا دل بھی اندر ہی اندر پانی ہو جائے گا کیونکہ ایسی ایسی بری چیزوں کو دیکھے گا جن کے بدلنے پر کوئی قدرت وتوانائی نہ رکھے گا۔

---

[1] وسائل الشیعۃ: ۱۱/۲۷۶

مقصد اول

طہارت

اس میں چند فصلیں ہیں

فصل اول

''طہور'' کا اجمالی بیان

جیسا کہ سابق میں اشارہ کیا جاچکا، نماز کی ظاہری صورت کے علاوہ ایک حقیقت ہے اور اس ظاہر کے علاوہ ایک باطن ہے اور جس طرح صورت نماز کے صوری آداب و شرائط ہیں، اسی طرح باطن کے بھی آداب و شرائط ہیں۔ سالک کو جن کی مراعات کرنا چاہئے۔ چنانچہ طہارت کی ایک صورت اور اس صورت کے مخصوص آداب ہیں، جن کا بیان اس کتاب کے موضوع سے خارج اور فقہائے مذہب جعفری نے، خدا ان کا بول بالا کرے اور ان کے درجات کو بلند کرے، انہیں بیان کیا ہے۔ البتہ آداب باطنی اور طہارت باطنی کو ہم اجمالی طور پر بیان کرتے ہیں۔

معلوم رہنا چاہئے کہ چونکہ نماز کی حقیقت مقام قرب کی طرف عروج اور مقام حضور حق تک پہنچنا ہے، لہٰذا اس عظیم مقصد اور بلند ترین منزل تک پہنچنے کے لئے کچھ طہارتیں لازم ہیں جو ظاہری طہارت کے علاوہ ہیں اس راہ کے کانٹے اور اس عروج کے مواقع وہ آلودگیاں ہیں، جن میں کسی ایک میں بھی سالک اگر گر پڑ جائے تو اس زینہ پر نہیں چڑھ سکتا اور معراج کی اس بلندی تک نہیں پہنچ سکتا۔ ان آلودگیوں میں سے جو کچھ بھی ہے وہ مانع نماز اور شیطانی نجاست ہے اور جو کچھ سیر میں سالک کے لئے معاون ہے اور آداب حضور میں شامل ہے وہ اس حقیقت کے شرائط میں سے ہے۔ سالک الی اللہ کو لازم ہے کہ سب سے پہلے موانع اور آلودگیوں کو دور کرے تاکہ طہارت سے متصف ہوجائے اور حصول طہور، جو عالم نور سے ہے، اس کے لئے آسان ہوجائے۔ کیونکہ جب تک ظاہری و باطنی آلودگیوں سے تطہیر نہ ہوجائے گی اس وقت تک سالک کو نہ محضر سے فائدہ ہوگا نہ حضور سے۔

آلودگیوں کے مراتب میں سب سے پہلا نفس کے ظاہری آلات اور قوتیں ہیں جو گناہوں اور منعم حقیقی کی

نافرمانیوں سے پیدا ہوتی ہیں اور یہ ابلیس کا ظاہری صوری جال ہے۔ جب تک انسان اس جال میں گرفتار رہے گا اس وقت تک محضر قدرت کے فیض اور قرب الٰہی کے حصول سے محروم رہے گا۔ کوئی بھی اس گمان میں نہ رہے کہ مملکت انسانیت کی ظاہری تطہیر کے بغیر حقیقت انسانیت کے مقام تک پہنچ سکتا ہے یا باطن قلب کی تطہیر کر سکتا ہے۔ یہ ایک شیطانی غرور اور ایک بڑا ابلیسی فریب ہے، کیونکہ گناہوں کے ساتھ ہی، جو روحانیت پر مادیت کے غلبہ سے ہوتے ہیں۔ قلبی آلودگیاں اور تاریکیاں بڑھ جاتی ہیں اور جب تک ظاہری مملکت کو فتح نہ کرلے اس وقت تک باطنی فتوحات، جو بڑا مقصد ہیں، یکسر محروم رہے گا اور سعادت کی کوئی راہ اس کے لئے نہ کھل سکے گی۔

لہٰذا اس سلوک کے بڑے موانع میں سے ایک مانع گناہ اور آلودگیاں ہیں جو عبرت آمیز توبہ کے پاک و پاکیزہ پانی سے پاک کی جانی چاہئیں۔

یہ بھی معلوم رہنا چاہئے کہ تمام ظاہری و باطنی قوتیں جو خدائے تعالٰی نے ہیں عطا فرمائی ہیں، خدا کی امانتیں ہیں، جو تمام آلودگیوں سے پاک و پاکیزہ تھیں، بلکہ فطرت الٰہی کے نور سے روشن تھیں اور ابلیس کے تصرف کی ظلمت و کدورت سے دور تھیں اور جب عالم مادی کے ظلمت کدہ میں نازل ہوئیں اور واہمہ کے شیطان کا دست تصرف اور ابلیس کا دست خیانت ان کی طرف بڑھا تو طہارت اصلی اور فطرت اولٰی سے باہر آگئیں اور طرح طرح کی شیطانی گندگیوں اور نجاستوں سے آلودہ ہوگئیں۔ اب اگر سالک الی اللہ نے عنایت ولی اللہ کے دامن سے متمسک ہو کے شیطان کے دست تصرف کو دور کر دیا اور مملکت ظاہر کو پاک کر لیا اور الٰہی امانتوں کو ویسا ہی واپس کر دیا جیسی ملی تھیں تو اس نے امانت میں خیانت نہیں کی اور اگر کی ہو تو اللہ ستار العیوب ہے، بخش دے گا۔ ظاہری لحاظ سے آسودہ خاطر ہوجانا چاہئے اور اخلاق فاسدہ کی نجاستوں سے باطن کو خالی کرنے میں لگ جانا چاہئے۔

(یہ اخلاق فاسدہ کی گندگی) آلودگیوں کا دوسرا مرتبہ ہے جس کا فساد بیشتر اور علاج ودشوار تر ہے اور ارباب ریاضت کی نظر میں بہت اہم ہے، کیونکہ جب تک نفس کا باطنی اخلاق فاسد رہے گا اور معنوی آلودگیاں دل کو گھیرے میں لئے رہیں گی تب تک مقام قدس اور خلوت انس میں جانے کی اہلیت نہیں پیدا ہوسکتی، بلکہ اخلاق فاسدہ اور عادات خبیثہ ہی سے نفس کی ظاہری مملکت میں فساد رونما ہوتا ہے اور جب تک سالک بری عادتوں کو اچھی عادتوں میں تبدیل نہ کردے اس وقت تک اعمال شر اور فساد سے محفوظ نہیں رہ سکتے اور اگر توبہ کی توفیق بھی حاصل ہو جائے پھر بھی وہ استقامت نہیں حاصل ہوسکتی جو اہم امور میں سے ایک ہے۔

لہٰذا ظاہر کی تطہیر بھی باطن کی تطہیر پر موقوف ہے۔ علاوہ اس کے خود باطنی آلودگیاں سعادت سے محرومی کا سبب اور اخلاقی دوزخ کے پیدا ہونے کا مصدر ہیں جو اہل معرفت کے بیان سے باہر اور اعمال کے دوزخ سے زیادہ گرم

ہے۔اس کی طرف احادیث اہلبیتؑ میں بہت اشارہ کیا گیا ہے۔

لہٰذا سالک الی اللہ کے لئے یہ طہارت بھی ضروری ہے۔ اخلاق فاسدہ کی آلودگیوں کو علم اور عمل صالح کے پاک و پاکیزہ پانی سے لوح نفس سے دور کر لینے کے بعد تطہیر قلب میں مشغول ہونا چاہئے جو (مملکت بدن کا) ام القریٰ ہے اور اس کی صلاح پر تمام ممالک کی صلاح موقف ہے اور اس کے فاسد ہونے سے سب فاسد ہو جاتے ہیں۔ عالم دل کی آلودگیاں تمام آلودگیوں کا مبدا ومنشا ہیں۔ دل کی آلودگیوں کا مطلب غیر حق سے تعلق اور اپنی ذات اور عالم کی طرف توجہ ہے۔ یہ دو قسم کی محبتوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ ایک محبت دنیا سے پیدا ہوتی ہیں جو سب سے بڑی خطا ہے۔ دوسری محبت نفس جو تمام بیماریوں کی ماں ہے۔ جب اس محبت کا ریشہ سالک کے دل میں باقی ہے تب تک اللہ کی محبت کا کوئی اثر پیدا نہیں ہوگا اور منزل مقصود کی طرف جانے کا کوئی راستہ نظر نہ آئے گا اور جب تک اس محبت کا کچھ بھی بچ کچا حصہ سالک کے دل میں ہے اس وقت تک اس کے سیر اللہ کی طرف نہیں ہے، بلکہ نفس کی طرف، دنیا کی طرف اور شیطان کی طرف ہے۔ لہٰذا حقیقی سلوک الی اللہ کا پہلا مرتبہ طہارت محبت نفس اور محبت دنیا سے تطہیر ہے اس لئے کہ اس تطہیر سے پہلے سلوک اللہ کی طرف نہیں ہوسکتا اور بڑی آسانی سے کہہ دیا جاتا ہے (سلوک، اور سالک)۔

اس منزل کے بعد و منزلیں ہیں جن کے بعد (عطا) کے عشق کے (سات شہروں) کا ایک نمونہ حاصل ہوتا ہے اور اس قائل سالک نے ایک خم میں ایک ہی کوچہ کو دیکھا ہے اور ایک ہم ہیں جو ابھی شہر پناہ کی دیواروں اور دبیز پڑوں کے پیچھے ہی پڑے ہوئے ہیں اور ان شہروں اور شہر یاروں صرف اشعار کا حصہ سمجھتے ہیں۔

مجھے شیخ (عطار) یا (میثم تمار) سے کوئی کام نہیں ہے، لیکن میں اصل مقامات کا انکار بھی نہیں کرسکتا اور جسے یہ مقامات حاصل ہیں اس کو دل و جان سے چاہتا ہوں اور اس محبت میں کامیابی و خوشحالی کی امید بھی رکھتا ہوں۔تم جو چاہتے ہو چاہو اور جس کے ساتھ ہونا ہے ہو جاؤ۔

مدعی خواست کہ آید بہ تماشا گہ دوست

دست غیب آمد وبرسینہ نامحرم زد [1]

سوئے تماشا گہ یار بڑھ رہا تھا حریف کہ دست غیب پڑا اجنبی کے سینہ پر

لیکن بنائے عرفانی کے ساتھ اخوت ایمانی اور محبت روحانی میں خیانت روا نہیں رکھتا اور نصیحت سے باز نہیں آسکتا جو مومنین کے ایک دوسرے پر حقوق میں سے ایک حق ہے۔

---

[1] حافظ کا شعر ہے، مطبوعہ نسخوں میں (تماشا گہ راز) ہے۔

معنوی آلودگیوں میں سے ایک آلودگی (جہل مرکب) ہے جو سات سمندروں میں غوطہ دینے سے بھی پاک نہیں ہوتی۔ انبیائے کرام علیہم السلام بھی اس کو پاک کرنے سے عاجز آ گئے۔ جہل مرکب وہ مصدر ہے جس سے اہل اللہ اوراہل معرفت کہ مقامات کے انکار کی پیچیدہ بیماری پیدا ہوتی ہے اوراصحاب قلوب کے بارے میں بدگمانی جنم لیتی ہے اور جب تک انسان اس گندگی سے آلودہ ہے تب تک ایک قدم بھی معارف کی طرف نہیں اٹھا سکتا، بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ کدورت نور فطرت کو جو چراغ ہدایت ہے، خاموش کر دیتی ہے اور آتش عشق کو جو مقامات کی طرف عروج کا براق ہے، بجھا دیتی ہے اورانسان کو ہمیشہ کے لئے مادیات کی زمین پر چھوڑ دیتی ہے۔

لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ انبیاء و الیائے کاملین صلوات اللہ علیہم کے احوال کے بارے میں تفکر اور ان مقامات کے بارے میں تذکر کر کے باطن قلب سے ان گندگیوں کو دھوڈالے اورجس حد پر پہنچا ہے اس پر قناعت نہ کرے، کیونکہ کسی بھی حد پر ٹھہر جانا اور معارف پر قناعت کر لینا ابلیس اورنفس امارہ کی حقیقت پوشی ہے (نعوذ باللہ منھما)۔

اور چونکہ یہ رسالہ عوام کے ذوق کے موافق لکھا جا رہا ہے۔ لہٰذا اولیاء کی تطہیرات ثلاثہ کا ذکر نہیں کیا جا رہا ہے۔

فصل دوم

مراتب طہور کی طرف کچھ اشارہ

معلوم رہے کہ انسان جب تک عالم طبیعت اور مادۂ ہیولانی کی منزل میں ہے، لشکر الٰہی اور لشکر ابلیسی کے تصرف میں ہے۔ لشکر الٰہی لشکر رحمت و سلامت و سعادت و نور و طہارت و کمال ہے اور لشکر ابلیسی اسی کے مقابل و مخالف ہے اور چونکہ جہات ربوبیت جہات ابلیسیت پر غلبہ رکھتی ہیں اس لئے بد و فطرت میں انسان کو قدرت کی طرف سے نورانیت، سلامتی اور سعادت ملی ہے۔ جیسا کہ احادیث شریفہ میں صراحتاً اور کتاب شریف میں اشارتاً بیان کر دیا گیا ہے۔[1]

اور جب تک انسان اس عالم میں ہے اپنے اختیار کے قدموں سے خود کو ربوبیت اور ابلیسیت دونوں میں سے کسی ایک کے تصرف میں دے سکتا ہے تو اگر اول فطرت سے آخر تک ابلیس اس پر تصرف ہی نہ کر سکے تو ایسا انسان (الٰہی لاہوتی) ہوتا ہے جو سر سے پا تک نور و سعادت و طہارت ہے۔ اس کا قلب نور حق ہوتا ہے جو حق کے علاوہ کسی طرف توجہ نہیں کرتا اور اس کی ظاہری و باطنی قوتیں پاک اور نورانی ہوتی ہیں جن میں حق کے سوا کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ ابلیس کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا اور ابلیس کے لشکر کو کبھی اس پر کسی قسم کا تصرف حاصل نہیں ہو سکتا اور وہ ایک شریف و کریم موجود کی طرح طاہر مطلق اور نور خالص ہوتا ہے اور اس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں [2]

---

[1] ان میں ایک یہ آیت شریفہ ہے، (فاقم وجهك للدين حنيفاً فطرة الله التي فطر الناس عليها ...)سورہ روم/آیت ۳۰ اور بحار الانوار کی روایات کی طرف رجوع کیا جائے، ج ۳، ص ۲۷۶، وج ۶۴، ص ۱۳۰، والتوحید، ص ۳۲۸، باب ۵۳)

[2] آیہ شریفہ "ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر" کی طرف اشارہ ہے،/سورۂ فتح: ۲

وہی اصلی طور پر فتح مطلق کا مالک اور عصمت کبریٰ کا حامل ہے اور دوسرے معصومینؑ بھی اسی کی ذات مقدس کے اتباع کی وجہ سے انہیں مقامات کے حامل ہیں۔ آنحضرتؐ مقام خاتمیت کے حامل ہیں جو کمال علی الاطلاق ہے اور چونکہ اوصیاء انہیں کی طینت سے پیدا ہوئے ہیں اور انہیں کی فطرت سے متصل ہیں۔ لہٰذا انہیں کے اتباع میں وہ بھی صاحبان عصمت مطلقہ ہیں اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبعیت سے کاملہ حاصل ہے، لیکن انبیاء و اولیاء میں بعض معصومینؑ عصمت مطلقہ کے حامل نہیں ہیں اور شیطان کے تصرفات سے خالی نہیں ہوتے۔ چنانچہ آدمؑ کا شجرۂ ممنوعہ کی طرف متوجہ ہونا اس شیطان اکبر کے تصرفات میں سے ایک تعرف ہے جو شیطانوں کا شیطان ہے۔ حالانکہ وہ درخت اللہ کی بنائی ہوئی جنت کا درخت تھا، مگر اس کے باوجود (کثرت اسمائی) کا حامل ہے جو آدمیت کاملہ کے مقام کے منافی ہے۔ یہ شجرۂ ممنوعہ کے معانی میں سے ایک معنی یا اس کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے۔

اور اگر نور فطرت صوری و معنوی میل اور گرد و غبار سے آلودہ ہوگیا تو جس قدر آلودگی ہوگی اسی کے بقدر تقرب کی بساط اور انس کی حاضری سے دور اور مہجور ہو جائے گا، یہاں تک کہ اگر یہ آلودگی بڑھتی چلی گئی تو اس حد تک پہنچ جائے گی کہ نور فطرت بالکل ہی خاموش ہوجائے اور مملکت بالکل ہی مملکت شیطانی بن جائے اور ظاہر و باطن، سر و علن سب شیطان کے تصرف اختیار میں چلا جائے، اس وقت شیطان ہی اس کا دل ہوگا اور شیطان ہی اس کے کان اور آنکھیں اور وہی اس کے ہاتھ پاؤں، اس کے تمام اعضاء شیطانی ہو جائیں گے اور اگر کوئی شخص خدا نہ کرے اس مقام تک پہنچ گیا تو وہ شقی مطلق ہوجائے گا۔ سب سے بڑی بدبختی اس کی تقدیر بن جائے گی اور سعادت کا رخ اسے کبھی نظر نہ آسکے گا۔ انتہائے سعادت اور انتہائے شقاوت کے درمیان میں بہت سے مقامات اور مراتب ہیں جو خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور جو شخص بھی نبوت کے افق سے قریب ہوجائے وہ اصحاب یمین میں سے ہے اور جو ابلیسیت کے افق سے نزدیک ہوجائے وہ اصحاب یسار میں شمار ہوگا۔

معلوم رہے کہ فطرت میں آلودگی پیدا ہوجائے تو اس کو صاف و پاک کرنا ممکن ہے اور جب تک انسان اس دنیا میں ہے اس وقت شیطان کے تصرف سے نکلنا اختیاری اور آسان ہے اور ملائکۃ اللہ کے گروہ میں شامل ہونا جو اللہ کے لشکر رحمانی ہیں، میسر ہوسکتا ہے اور حقیقت جہاد نفس، جو حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اعائے دین کے مقابل جہاد کرنے سے افضل و بہتر ہے اور وہی (جہاد اکبر) ہے۔[1]

دراصل لشکر ابلیس کے تصرف سے نکلنا اور لشکر خدا کے تصرف میں داخل ہونا ہے۔

---

[1] بحار الانوار، ج ۶۷، ص ۶۵، و ج ۱۹، ص ۱۸۲

لہٰذا طہارت کا پہلا مرتبہ: سنن الٰہیہ کو عمل میں لانا اور احکام حق کو بجالانا ہے۔ دوسرا: مرتبہ اخلاقی فضائل اوراعلیٰ شمائل سے آراستہ ہونا ہے۔ تیسرا مرتبہ: قلبی طہارت ہے جس کا مطلب ہے (قلب کو حق کے سپرد کردینا) اس سپردگی اورتسلیم کے بعد ہی قلب نورانی ہو جاتا ہے بلکہ خود عالم نور درجات نو رالٰہی کا ایک جزء بن جاتا ہے اورقلب کی نورانیت قلب سے آگے بڑھ کرتمام دوسرے اعضاء وجوارح اور باطنی قوتوں میں سرایت کرجاتی ہے۔ تمام مملکت نور بلکہ ''نورعلیٰ نور'' ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ طہارت اس منزل تک پہنچ جاتی ہے کہ قلب ''الٰہی لاہوتی'' ہوجاتا ہے اورلاہوت کی تجلی ظاہر و باطن کے تمام مراتب میں پھیل جاتی ہے۔ تب عبودیت کلی طور پر فانی اور مخفی ہو جاتی ہے اور ربوبیت ظاہر وہویدا ہوتی ہے۔ اس عالم میں قلب سالک کوایک طمانینت اورایک انس حاصل ہوتا ہے اورسارا عالم اس کا محبوب ہوجاتا ہے۔ الٰہی جذب وکشش کا وہ حامل ہوجاتا ہے۔ خطائیں اورلغزشیں اس کی نظر میں مغفور اورتجلیات محبت کے سایہ میں مستور ہو جاتی ہیں اوراس کے لئے ولایت کےظہور کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ وہ محضر انس میں باریاب ہونے کی لیاقت پیدا کرلیتا ہے۔ اس کے بعد اور بھی منزلیں ہیں جن کا ذکر ان اوراق کی گنجائش سے مناسبت نہیں رکھتا۔

فصل سوم

طہارت کی غرض سے پانی کی طرف متوجہ ہوتے وقت سالک کے لئے قلبی آداب

اس سلسلہ میں ہم مصباح الشریعہ سے ایک حدیث نقل کر کے اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ اہل ایمان کے شفاف دلوں کو اس سے نورانیت حاصل ہو:۔

"فی مصباح الشریعۃ، عَنْ مِصْباحِ الشَّریعَۃِ، عَنِ الصّادِقِ عَلَیْهِ السَّلام:
اذا اَرَدْتَ الطَّهارَۃَ وَ الْوُضُوءَ فَتَقَدَّمْ اِلَی الْماءِ تَقَدُّمَكَ اِلی رَحْمَۃِ اللّٰه؛
فَاِنَّ اللّٰه تَعالی قَدْ جَعَلَ الْماءَ مِفْتاحَ قُرْبَتِهِ وَ مُناجاتِهِ وَ دالًّا اِلی بِساطِ خِدْمَتِهِ.
وَ کَما اَنَّ رَحْمَتَهُ تُطَهِّرُ ذُنُوبَ الْعِبادِ. فَکَذٰلِكَ النَّجاساتُ الظّاهِرَۃُ یُطَهِّرُهَا الْماءُ لا غَیْرُ. قالَ اللّٰه تَعالی:
"وَ هُوَ الَّذِی اَرْسَلَ الرِّیاحَ بُشْراً بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهِ وَ اَنْزَلْنا مِنَ السَّماءِ ماءً طَهُوراً."
وَ قالَ عَزَّ وَ جَلَّ:"
وَ جَعَلْنا مِنَ الْماءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ"۔

فَکَما اُحیِی بِہٖ کُلَّ شَیءٍ مِنْ نَعیمِ الدُّنیا، کَذٰلِکَ بِفَضْلِہٖ وَ رَحْمَتِہٖ جَعَلَ حَیاۃَ الْقُلُوبِ بِالطّاعاتِ.

وَ تَفَکَّرْ فی صَفاءِ الْماءِ وَ رِقَّتِہٖ وَ طَھُورِہٖ وَ بَرَکَتِہٖ وَ لَطیفِ امْتِزاجِہٖ بِکُلِّ شَیءٍ وَ فی کُلِّ شَیءٍ، وَ اسْتَعْمِلْہُ فی تَطْھیرِ الْاَعْضاءِ الَّتی اَمَرَکَ اللّٰہُ بِتَطْھیرِھا وَ أْتِ بِآدابِھا فَرائِضِہٖ وَ سُنَنِہٖ، فَاِنَّ تَحْتَ کُلِّ واحِدَۃٍ مِنْھا فَوائِدَ کَثیرَۃً. اِذا اسْتَعْمَلْتَھا بِالْحُرْمَۃِ انْفَجَرَتْ لَکَ عَیْنُ فَوائِدِہٖ عَنْ قَریبٍ.

ثُمَّ عاشِرْ خَلْقَ اللّٰہِ تَعالیٰ کَامْتِزاجِ الْماءِ بِالْأَشْیاءِ، یُؤَدّی کُلَّ شَیءٍ حَقَّہُ وَ لا یَتَغَیَّرُ عَنْ مَعْناہُ، مُعْتَبِراً لِقَوْلِ رَسُولِ اللّٰہِ- صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الْخاصِّ کَمَثَلِ الْماءِ. وَ لْیَکُنْ صَفْوَتُکَ مَعَ اللّٰہِ فی جَمیعِ طاعاتِکَ کَصَفْوَۃِ الْماءِ حینَ اَنْزَلَہُ مِنَ السَّماءِ وَ سَمّاہُ طَھُوراً، وَ طَھِّرْ قَلْبَکَ بِالتَّقْوی وَ الْیَقینِ عِنْدَ طَھارَۃِ جَوارِحِکَ بِالْماءِ..[1]

اس حدیث شریف میں لطیف و باریک رموز اور حقائق و اشارات ہیں، جن سے اہل معرفت کے قلوب زندہ ہوتے ہیں اور اصحاب قلوب کی شفاف روحوں کو حیات تازہ ملتی ہے۔ فرماتے ہیں:

جب تم طہارت اور وضو کا ارادہ کرو تو پانی کی طرف اس طرح متوجہ ہو جیسے رحمت حق کی طرف متوجہ ہوتے ہو، کیونکہ اللہ نے پانی کو اپنے تقرب، مناجات اور اپنی بارگاہ میں راہنمائی کی کنجی قرار دیا ہے اور جس طرح رحمت خدا گناہوں کو دور کر دیتی ہے اسی طرح پانی صرف ظاہری نجاستوں کو پاک کر دیتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کا فرمان ہے: ''وہی ہے جس نے ہواؤں کو رحمت کے آنے کی بشارت دینے کے لئے بھیجا اور ہم نے آسمان سے پاک و پاکیزہ پانی برسایا۔[2]

اور خدائے تعالیٰ نے فرمایا: ''اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا۔[3]

اس حدیث میں پانی کی رحمت سے تشبیہ، بلکہ تاویل کی گئی ہے۔ اس کے نکات میں ایک نکتہ یہ ہے کہ

---

[1] مصباح الشریعہ، الباب العاشر، فی الطہارۃ

[2] سورۂ فرقان: ۴۸

[3] سورۂ انبیاء: ۳۰

پانی رحمت حق کے عظیم مظاہر میں سے ایک مظہر ہے۔ جسے عالم مادیات میں نازل کیا ہے اور اسے موجودات کے لئے سرمایہ زندگی قرار دیا ہے، بلکہ اہل معرفت اللہ کی ''اس رحمت واسعہ کو آب سے'' تعبیر کرتے ہیں جو حضرت اسماء و صفات کے رفیع الدرجات آسمان سے نازل ہوتا ہے اور تعینات اعیان کی زمینیں اس سے زندہ ہوتی ہیں۔ اور چونکہ اللہ کی رحمت واسعہ کا جلوہ دنیا کے دیگر موجودات کی بہ نسبت آب ملکی ظاہری میں زیادہ ہے، لہٰذا اللہ نے اس ظاہری میل کچیل سے تطہیر کا ذریعہ بنایا اور اپنے تقرب و مناجات کے دروازے کی کنجی قرار دیا اور اپنی بارگاہ میں باریابی کے لئے رہنما مقرر فرمایا جو اس کی باطنی رحمتوں کا باب الابواب ہے، بلکہ آب رحمت حق ہر عالم وجود میں اور غیب وشہود کے ہر منظر ستان میں نازل وظاہر ہوتا ہے۔ (اور ہر عالم کے موافق و مناسب کتاب) بندگان خدا کے گناہوں کو دھوتا ہے۔ اور آسمان احدیت سے نازل ہونے والے آب رحمت سے وہ گناہ دھلتے ہیں جو تعینات اعیان کی غیبت سے پیدا ہوتے ہیں اور آسمان واحدیت کے پانی سے ان گناہوں کی تطہیر ہوتی ہے جو خارجی آمادگی اور مستعدی نہ ہونے سے وجود میں آتے ہیں اور یہ تطہیر وجود کے مراتب میں سے ہر مرتبہ پر اس مرتبہ کے مطابق ہوتی ہے۔

انسان کی خلقت کے مراتب میں بھی آب رحمت طرح طرح سے ظہور کرتا ہے۔ چنانچہ جو آب رحمت حضرت ذات سے تعینات جمعیہ برزخیہ پر برستا ہے اس سے وجود کے اندرونی گناہ دور ہوتے ہیں۔

"وجودك ذنب لا يقاس به ذنب."[1]

اور جو آب رحمت آسماء وصفات اور تجلی فعلی سے نازل ہوتا ہے اس سے رویت صفت وفعل کی تطہیر ہوتی ہے اور حکم عدل کے آسمان سے جو پانی برستا ہے اس سے باطنی خلقی میل صاف ہوتا ہے اور غفاریت کے آسمان سے جو پانی آتا ہے اس سے بندوں کے گناہ دھل جاتے ہیں اور آسمان ملکوت سے جو بارش رحمت ہوتی ہے اس سے صوری غلاظتیں صاف ہوتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے پانی کو کلید تقرب اور رہنمائے بارگاہ رحمت قرار دیا ہے۔ اس کے بعد حدیث شریف ایک اور حکم دیتی ہے اور اہل سلوک و مراقبہ کے لئے ایک اور راہ کھولتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: اور پانی شفافیت اس کی نرمی ونزاکت اور پاکیزگی و برکت اور ہر چیز کے ساتھ گھل مل جانے پر غور کرتے جاؤ اور اسے ان اعضاء کی طہارت میں استعمال کرو جس کی طہارت کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے اور واجبات و مسنونات وضو میں ان کے آداب (طہارت) بجالاؤ، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی تہہ میں کثیر فائدے پوشیدہ ہیں۔

---

[1] تیرا وجود ایک ایسا گناہ ہے جس کے سامنے کسی گناہ کا قیاس نہیں ہوسکتا۔

جب تم احترام کے ساتھ انہیں بجالاؤ گے تو جلد ہی ان کے فوائد کے چشمے تمہارے لئے پھوٹ نکلیں گے۔

اس حدیث میں قاعدہ کلیہ کے طور پر طہارت کے مراتب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اورطہارت کے چار مرتبے بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک مرتبہ حدیث کے ہمارے نقل کردہ حصہ میں بیان ہوا ہے اور وہ تطہیر اعضاء ہے۔ اشارہ اس بات کی طرف کیا گیا ہے کہ اہل سلوک اور اہل مراقبہ کو محض صورتوں اور ظواہر پر ٹھہرے نہ رہنا چاہئے بلکہ ظاہر کو باطن کا آئینہ بنالینا چاہئے اور صورتوں سے حقیقتوں کو کشف کرتے رہنا چاہئے۔ صرف ظاہری تطہیر پر قناعت نہ کرنا چاہئے، کیونکہ یہ ایک دام ابلیس ہے۔ لہٰذا صفائے آب کے ذریعہ اعضاء کے تصفیہ سے فارغ ہونے کے بعد انہیں اعضاء کو فرائض وسنن الٰہیہ کی ادائیگی سے صاف کریں اوران میں صفا پیدا کریں اوران عبادات کی شفافیت سے اعضا کو شفاف بنائیں اور عصیان کی کثافت سے باہر آئیں اور طہور کو تمام اعضاء میں سرایت کردیں اور اشیاء میں پانی کے گھل مل جانے کی لطافت سے ادراک کریں کہ الٰہی ملکوتی قوتیں عالم مادی میں کیسے گھل مل جاتی ہیں، لیکن مادی آلودگیوں کو ان پر اثر انداز نہ ہونے دیں۔ جب اعضاء سنن وفرائض الٰہیہ اوران کے آداب سے آراستہ ہو جائیں تو رفتہ رفتہ باطنی فوائد ظاہر ہونے لگیں گے اور اسرار الٰہیہ کے چشمے پھوٹنا شروع ہو جائیں گے اور اسرار عبادت وطہارت کی ایک جھلک اس کو نظر آنے گی۔ طہارت کے پہلے مرتبہ اوراس کا دستور بتانے کے بعد امامؑ نے دوسرا مرتبہ اور دوسرا دستور بتایا۔

فرماتے ہیں:

> اس کے بعد خلق خدا کے ساتھ اس طرح میل جول رکھو جیسے پانی چیزوں کے ساتھ گھل مل جاتا ہے کہ ہر چیز کا حق اسے دیتا ہے مگر اپنی معنویت کو نہیں بدلتا۔
>
> اور قول رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غور کرو۔ آپؐ نے فرمایا ہے:
>
> ''مومن خالص (خ ل: خاص) کی مثال پانی کی مثال ہے۔''

پہلا دستور کا تعلق انسان سالک کے اپنے اعضاء اور داخلی قوتوں کے ساتھ معاملہ سے ہے اور دوسرا دستور جو حدیث شریف کے اس فقرہ میں ہے، انسان کے خلق خدا کے ساتھ معاملہ سے ہے۔ یہ ایک ایسا جامع دستور ہے جس میں خلق خدا کے ساتھ سالک کے لئے زندگی بسر کرنے کا طریقہ بھی بیان کر دیا ہے جس کے ضمن میں خلوت کی حقیقت بھی معلوم ہو جاتی ہے اور وہ یوں ہے کہ سالک الی اللہ عین اس حال میں جب لوگوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرتے ہوئے میل جول رکھے ہوئے ہے اور مخلوق کے حقوق ادا کر رہا ہے اور ہر شخص کے ساتھ اس کے مناسب حال معاملہ کر رہا ہے، حقوق الٰہیہ کی محافظت کرے اور اپنی معنویت کو عبودیت اور حق کی طرف توجہ سے عبارت ہے، ہاتھ سے جانے دے اور عین

اس حال میں، جب کثرت میں ڈوبا ہوا ہے۔ خلوت میں ہو اور اس کا دل جو منزل گاہ محبوب ہے، اغیار سے خالی اور نقش و نگار سے پاک ہو۔ اس کے بعد امامؒ نے تیسرا دستور بیان فرمایا اور وہ ''خدائے تعالیٰ کے ساتھ سالک کے معاملہ کی کیفیت ہے۔''

فرماتے ہیں: خدائے تعالیٰ کے ساتھ تمام اطاعات میں تمہیں اسی طرح صاف ہونا چاہئے جیسے پانی صاف ہوتا ہے جب خدا اسے آسمان سے نازل کرتا ہے اور اس کا نام (طہور) رکھا ہے۔

یعنی سالک الی اللہ کو مادیت کے تصرف سے خالص ہونا چاہئے اور کدورت وظلمت کو اس کے دل میں راہ نہ پانا چاہئے اور اس کی عبادات کو ظاہری و باطنی ہر قسم کے شرک سے پاک ہونا چاہئے اور بالکل اسی طرح جیسے پانی آسمان سے برستے وقت پاک ہوتا ہے! اور کسی طرح کی کثافت کے تصرف کا ہاتھ اس کو چھو نہیں سکا ہے۔ قلب سالک کو جو غیب ملکوت کی بلندیوں سے پاک و پاکیزہ اتارا گیا ہے، شیطان اور مادیت کے تصرف میں آ کے گندگیوں سے آلودہ نہ ہونے دے۔ اس دستور کے بعد امامؒ نے چوتھا اور آخری دستور اہل ریاضت وسلوک کے لئے بیان فرمایا۔

فرماتے ہیں:

> آب تقویٰ ویقین سے اپنے دل کو بھی پاک کرتے جاؤ جس وقت تم اپنے اعضاء کو پانی سے پاک و پاکیزہ کر رہے ہو۔

اس میں اہل معرفت کے دو بلند مقامات کی طرف اشارہ ہے:

ایک تقویٰ، جس کا کمال ترک غیر حق ہے۔

دوسرا یقین، جس کا کمال حضور محبوب کا مشاہدہ ہے۔

فصل چہارم

طہور

''طہور'' یا تو ''پانی'' ہوتا ہے اور وہی اس باب میں اصل ہے اور یا ''زمین'' ہے۔

معلوم رہے کہ انسان سالک کے لئے مقصد اعلیٰ اور مقام قرب ربوبیت تک پہنچنے کے لئے کلی طور پر دو طریقے ہیں۔ ان دو میں سے ایک جو مقام اولیت و اصالت رکھتا ہے، سیر الی اللہ ہے، مقام رحمت مطلقہ کی طرف توجہ کے ساتھ اور خصوصاً رحمت رحیمیہ کی طرف جو ایسی رحمت جو ہر موجود کو اس کے لائق و مناسب مقام تک پہنچاتی ہے۔ رحمت رحیمیہ کے شعبوں ہی میں سے ایک شعبہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی بعثت ہے جو راہنمایان منزل اور پیچھے رہ جانے والوں کی دستگیری کرنے والے ہیں، بلکہ اہل معرفت اور اصحاب قلوب کی نظر میں رحمت الٰہیہ ہی دار تحقیق صورت ہے اور مخلوقات ہمیشہ رحمت حق کے دریاؤں میں مستغرق رہتے ہیں۔ مگر اس سے فیض حاصل نہیں کرتے۔ خدا کی یہ عظیم کتاب، جو عالم غیب اور قرب ربوبیت سے نازل ہوئی ہے اور ہم مہجوروں اور محروموں کے استفادہ اور ہم زندان مادیات کے اسیروں کی رہائی تمناؤں اور خواہشات نفس کی پیچ در پیچ زنجیروں میں جکڑے ہوؤں کی نجات کے لئے لفظ و لام کی شکل میں آئی ہے، رحمت الٰہی کے عظیم ترین مظاہر میں سے ہے جس سے ہم اندھے بہروں نے کسی طرح سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ وہ آخری رسول اور ولی مطلق جس نے ربوبیت کی بارگاہ قدس سے اور الوہیت کی محفل قرب وانس سے اس غربت و وحشت میں قدم رنجہ فرمایا اور ابوجہلوں بلکہ ان سے بھی بدتر لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے اور ان کے پاس آنے جانے کی مصیبت میں گرفتار رہا اور اس کا نالہ لَيُغانُ عَلى قَلْبى [1] اہل معرفت و ولایت کے دلوں کو تڑپاتا رہا اور تڑپا رہے گا، اللہ کی رحمت واسعہ اور کرامت مطلقہ ہے جس کی اس خرابہ عالم میں تشریف آوری عالم اسفل و ادنیٰ کے باشندوں پر رحمت کے لئے اور ان کو اس دار غربت و وحشت سے نکالنے کے لئے تھی جیسے طوقدار کبوتر اپنے ساتھیوں کی رہائی کے لئے خود کو دام بلا

[1] رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی: لَيُغانُ عَلى قَلْبى وَ إِنّى لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فى كُلِّ يَوْمٍ سَبْعينَ مَرَّةً.

میں گرفتار کرادیتا ہے۔[1]

سالک الی اللہ کو چاہئے کہ آب رحمت سے تطہیر کو اللہ کی نازل کردہ رحمت سے استفادہ کی صورت سمجھے اور جب تک اس کو رحمت سے استفادہ میسر ہے، اس کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔لیکن جب کسی ذاتی کوتاہی وخطا یا معذوری ومجبوری کی بنا پر (تقصیر یا قصور) استفادہ سے محروم ہوجائے اور آپ رحمت مفقود ہوجائے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اپنی ذلت و مسکنت اور فقر وفاقہ کی طرف متوجہ ہوجائے۔ جب ذلت عبودیت کو اپنا نصب العین بنالے گا اور اپنے مضطر وفقیر ہونے اور ممکن بالذات ہونے کی طرف ہوجائے گا اور تکبر وغرور اور خودخواہی سے باہر آجائے گا تو رحمت کا ایک دروازہ اس کے لئے کھل جائے گا اور مادی زمین اس کے لئے رحمت کی صاف وشفاف زمین میں تبدیل ہوجائے گی اور "تراب احد الطھورین"[2] ہوجائے گی اور رحمت ولطف حق کا نزول اس پر ہوگا۔ یہ فکر، یعنی اپنی ذلت کا احساس، جس قدر انسان میں قوی ہوتا جائے گا اسی قدر اس پر زیادہ ورود رحمت ہوگا اور آگر صرف اپنے قدم پر اعتماد کرتے ہوئے اور اپنے عمل پر انحصار رکھتے ہوئے یہ راہ طے کرنا چاہی تو ہلاک ہوجائے گا، کیونکہ ممکن ہے اس کو دستگیری حاصل نہ ہو سکے۔ جیسے کوئی بچہ جب خود اپنی ہمت وجسارت سے چلتا ہے اور اپنے قدموں پر نازاں اور اپنی قوت پر مغرور ہوجاتا ہے تو باپ کی عنایت وتوجہ اس کی طرف نہیں رہتی اور باپ اس کو اسکی حالت پر چھوڑ دیتا ہے۔لیکن جب اپنی مجبور اور عاجزی کو اپنے باپ کے سامنے پیش کرتا ہے اور اپنے اوپر اعتماد اور اپنی قوت پر انحصار کرنے سے یکسر الگ ہوجاتا ہے تو باپ کی عنایت وتوجہ کا مستحق ہوجاتا ہے اور وہ اس کی دستگیری کرتا ہے، بلکہ (فرط محبت سے) اس کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے اور اپنے قدموں سے اس کی راہ طے کرادیتا ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ سالک اپنے پائے سلوک کو شکستہ کردے اور اپنے اور اپنی ریاضت و عمل پر اعتماد کرنے سے بالکل برالذمہ ہوجائے اور اپنی خودی اور خودی کی قدرت وقوت سے فانی ہوجائے اور اپنی فنا اور اپنے اضطراب کو ہمیشہ نظر رکھے تا کہ عنایت حق کا مستحق ہوجائے اور سو سال کی راہ جذبۂ ربوبیت کو ایک ہی رات میں طے کرلے اور اس کی زبان باطن اور زبان حال عجز وانکسار کے ساتھ محضر ربوبیت میں عرض کرے اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكۡشِفُ السُّوۡٓءَ.[3]

---

[1] کلیلہ ودمنہ، باب الحمامۃ المطوقہ

[2] اس روایت کی طرف اشارہ ہے جو مرحوم آخوند خراسانی (قدس سرہ) نے کفایۃ الاصول، ج۱، ص ۱۳۰ پر یوں تحریر فرمائی ہے، قولہؑ: التراب احد الطھورین یکفیك عشر سنین، خاک دو پاک کرنے والی چیزوں میں سے ایک ہے اور تمھارے لئے دس سال کے واسطے کافی ہے

[3] وہ کون ہے کہ پریشان حال جب اس کو پکارتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے اور اس کی پریشانی کو دور کرتا ہے، (سورۂ نمل/ ۶۲)

فصل پنجم

وضو کے کچھ باطنی و قلبی آداب

من ذلك ماورد عن الرضا علیہ السلام: أُمِرُوا بِالْوُضُوءِ وَ بُدِءَ بِهِ قِيلَ لَهُ لِأَنْ يَكُونَ الْعَبْدُ طَاهِراً إِذَا قَامَ بَيْنَ يَدَيِ الْجَبَّارِ وَ عِنْدَ مُنَاجَاتِهِ إِيَّاهُ مُطِيعاً لَهُ فِيمَا أَمَرَهُ نَقِيّاً مِنَ الْأَدْنَاسِ وَ النَّجَاسَةِ مَعَ مَا فِيهِ مِنْ ذَهَابِ الْكَسَلِ وَ طَرْدِ النُّعَاسِ وَ تَزْكِيَةِ الْفُؤَادِ لِلْقِيَامِ بَيْنَ يَدَيِ الْجَبَّارِ فَإِنْ قَالَ قَائِلٌ فَلِمَ وَجَبَ ذَلِكَ عَلَى الْوَجْهِ وَ الْيَدَيْنِ وَ الرَّأْسِ وَ الرِّجْلَيْنِ قِيلَ لِأَنَّ الْعَبْدَ إِذَا قَامَ بَيْنَ يَدَيِ الْجَبَّارِ فَإِنَّمَا يَنْكَشِفُ عَنْ جَوَارِحِهِ وَ يُظْهِرُ مَا وَجَبَ فِيهِ الْوُضُوءُ وَ ذَلِكَ بِأَنَّهُ بِوَجْهِهِ يَسْجُدُ وَ يَخْضَعُ وَ بِيَدِهِ يَسْأَلُ وَ يَرْغَبُ وَ يَرْهَبُ وَ يَتَبَتَّلُ وَ يَنْسُكُ وَ بِرَأْسِهِ يَسْتَقْبِلُ فِي رُكُوعِهِ وَ سُجُودِهِ وَ بِرِجْلَيْهِ يَقُومُ وَ يَقْعُد..[1]

حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

وضو کا حکم صرف اس لئے دیا گیا ہے تا کہ بندہ خدائے جبار کے سامنے اور حق سے مناجات کے وقت پاک و صاف ہو کر کھڑا ہو اور اس لئے کہ اس کے احکام کی پابندی کرے اور نجاستوں اور کثافتوں سے پاک رہے۔ اس میں اور بھی فوائد ہے ہیں جیسے کسالت و سستی کا دور ہونا، نیند کا

[1] عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۱۰۴، باب ۳۴، حدیث ۱

خمار اتر جانا، خدائے جبار کے سامنے حاضری کے لئے دل کا پاکیزہ ہونا۔

یہاں تک وضو کا اصل رمز اور نکتہ بیان کیا گیا ہے اور اہل معرفت اور اصحاب سلوک کو متنبہ کیا گیا کہ محضر حق جل جلالہ میں حاضری اور قاضیٰ الحاجات کی بارگاہ میں مناجات کے کچھ آداب ہیں جو پیش نظر رہنا چاہئیں، یہاں تک کہ صوری پلیدگیوں اور ظاہری کثافتوں اور چشم ظاہر کی کسالت کے ساتھ بھی اس بارگاہ میں نہیں جانا چاہئے چہ جائیکہ ایسی حالت میں جانا جب دل کثافتوں کی دکان بنا ہوا ہے اور قلب، معنوی آلودگیوں میں مبتلا ہو جو تمام آلودگیوں کی اصل و بنیاد ہے۔ حالانکہ روایت میں ہے کہ ''خدائے تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے''۔[1]

اور جس چیز کی طرف حق تعالیٰ نظر کرتا ہے اور جو کچھ تخلیق کی دنیاؤں میں کبریائے عظمت و جلال کی توجہ کے لائق ہے، وہ دل ہے۔ دوسرے اعضاء و جوارح کو اس نظر و توجہ میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہے۔ اس کے باوجود صوری طہارت اور ظاہری پاکیزگی کو بھی فوگذاشت نہیں کیا گیا ہے۔ صورت طہارت کو صرف صورت انسان کے لئے قرار دیا گیا ہے اور باطن کو باطن کے لئے اور اس حدیث شریف میں تزکیہ نفس کو وضو کے فوائد میں قرار دیئے جانے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ظاہر کے علاوہ وضو کا ایک باطن بھی ہے جس سے انسان کے باطن کا تزکیہ ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر و باطن اور شہادت وغیب ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ نیز یہ استفادہ ہوتا ہے کہ ظاہری طہارت اور صوری وضو ایک عبادت اور اللہ کی اطاعت ہے۔ لہٰذا ظاہری طہارت باطنی طہارت کا موجب ہوتی ہے اور صوری طہارت سے قلبی تزکیہ پیدا ہوتا ہے۔

الغرض سالک الی اللہ کو وضو کرتے وقت اس بات کو طرف توجہ رکھنا چاہئے کہ وہ حضرت کبریا کی بارگاہ مقدس کی طرف رخ کرنے جا رہا ہے اور دل کے ان احوال کے ساتھ جو اس وقت موجود ہیں اس محضر مقدس میں جانے کی لیاقت نہیں رکھتا، بلکہ شاید عزت ربوبیت کے محضر میں جانے سے روک دیا جائے۔ لہٰذا ہمت و حوصلہ کے ساتھ طہارت ظاہری کو باطن میں نفوذ دیا اور اپنے دل کو جو مورد نظر حق بلکہ منزل گاہ حضرت قدس ہے، غیر حق سے پاک کرے اور خود اور خودی کی فرعونیت کو جو آلودگیوں کی اصلی جڑ ہے، بالکل اکھاڑ پھینکے تاکہ مقام مقدس کے لائق ہو جائے۔ اس کے بعد حضرت امام رضا علیہ السلام وضو میں بعض اعضا کی تخصیص کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔

وضو صرف چہرے، دونوں ہاتھوں، سر اور دونوں پیروں پر اس لئے واجب کیا گیا ہے کہ بندہ جس وقت بارگاہ حضرت جبار میں کھڑا ہوتا ہے تو یہی اعضاء جو وضو میں دھوئے جاتے ہیں کھلے ہوتے ہیں، کیونکہ چہرے سے سجدہ کرتا ہے

---

[1] إن اللہ لا ینظر إلی أجسادکم، ولا إلی صورکم، ولکن ینظر إلی قلوبکم. (حدیث نبویؐ)

اورخضوع کا اظہار کرتا ہے۔ ہاتھوں سے سوال ورغبت اورخوف ظاہر کرتا ہے اورسب سے الگ ہو کے حق کی طرف توجہ کا اظہار کرتا ہے۔ سر سے رکوع وسجدے میں حق کے سامنے پیش ہوتا ہے اور پیروں سے اٹھتا بیٹھتا ہے اورقعود و قیام کرتا ہے۔

امام علیہ السلام کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ یہ اعضاء بندگی حق میں دخل رکھتے ہیں اور بندگی انہیں اعضاء سے ظاہر ہوتی ہے، اس لئے ان کی تطہیر لازمی کی گئی ہے۔ اس کے بعد امامؑ نے ان باتوں کو بیان فرمایا ہے جو ان اعضاء ظاہر ہوتی ہیں اور ان افراد کے لئے عبرت اور استفادہ کی راہیں کھولی ہیں جو اہل ہیں اور اہل معرفت کو ان کے اسرار سے آگاہ فرمایا ہے کہ جس جس چیز سے محض حق میں بندگی کا ظہور ہوتا ہے اسے پاک وپاکیزہ ہونا چاہئے اور ظاہری اعضاء وجوارح جو ان معنویات کا ایک نامکمل حصہ ہیں، طہارت کے بغیر اس مقام کے لائق نہیں ہیں۔ رہا خضوع تو حقیقی طور پر توجہ کے صفات میں شامل نہیں اور سوال اور رغبت وخوف اور تبتل (اتصال) و استقبال میں سے کوئی اعضائے حسیہ کے احوال میں شامل نہیں ہے۔ البتہ چونکہ اعضائے حسیہ ان کے مظاہر ہیں اس لئے ان کی تطہیر ضروری ہوئی۔ لہٰذا قلب کی تطہیر جو عبودیت کا حقیقی محل اور ان معنویات کا اصلی مرکز ہے، اس سے بھی زیادہ ضروری ہے اور قلب کی تطہیر کے بغیر اگر ساتوں سمندروں میں بھی اعضائے صوریہ کو غوطہ دیا ئے تب بھی پاک نہ ہوں گے، بلکہ شیطان ان پر تصرف حاصل کرلے گا اور انسان درگاہ عزت سے نکال دیا جائے گا۔

وصل

جَاءَ نَفَرٌ مِنَ الْيَهُودِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ص فَسَأَلُوهُ عَنْ مَسَائِلَ فَكَانَ فِيمَا سَأَلُوهُ أَخْبِرْنَا يَا مُحَمَّدُ لِأَيِّ عِلَّةٍ تُوَضَّأُ هَذِهِ الْجَوَارِحُ الْأَرْبَعُ وَ هِيَ أَنْظَفُ الْمَوَاضِعِ فِي الْجَسَدِ.

فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَمَّا أَنْ وَسْوَسَ الشَّيْطَانُ إِلَى آدَمَ دَنَا مِنَ الشَّجَرَةِ وَ نَظَرَ إِلَيْهَا ذَهَبَ مَاءُ وَجْهِهِ

ثُمَّ قَامَ وَ مَشَى إِلَيْهَا وَ هِيَ أَوَّلُ قَدَمٍ مَشَتْ إِلَى الْخَطِيئَةِ ثُمَّ تَنَاوَلَ بِيَدِهِ مِنْهَا مِمَّا عَلَيْهَا فَأَكَلَ فَطَارَ الْحُلِيُّ وَ الْحُلَلُ عَنْ جَسَدِهِ فَوَضَعَ آدَمُ يَدَهُ عَلَى أُمِّ رَأْسِهِ وَ بَكَى فَلَمَّا تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ فَرَضَ عَلَيْهِ وَ عَلَى ذُرِّيَّتِهِ غَسْلَ هَذِهِ الْجَوَارِحِ الْأَرْبَعِ وَ أَمَرَهُ بِغَسْلِ الْوَجْهِ لِمَا نَظَرَ إِلَى الشَّجَرَةِ وَ أَمَرَهُ بِغَسْلِ الْيَدَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ لِمَا تَنَاوَلَ

مِنْهَا وَ أَمَرَهُ بِمَسْحِ الرَّأْسِ لِمَا وَضَعَ يَدَهُ عَلَى أُمِّ رَأْسِهِ وَ أَمَرَهُ بِمَسْحِ الْقَدَمَيْنِ لِمَا مَشَى بِهِمَا إِلَى الْخَطِيئَةِ.[1]

حاصل ترجمہ یہ ہے کہ:

یہودیوں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا کہ وضو ان چار اعضا کے ساتھ کیوں مخصوص کیا گیا حالانکہ یہ اعضاء بدن سے زیادہ پاک وصاف ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: شیطان نے جب آدمؑ کو وسوسہ میں ڈالا اور وہ درخت کے نزدیک گئے اور اس کی طرف نظر کی، تو ان کے چہرے کی آب جاتی رہی، پھر اٹھے اور اس درخت کی طرف چلے اور یہ پہلا قدم تھا جو خطا کی طرف اٹھا۔ اس کے بعد اپنے ہاتھ جو کچھ اس درخت میں تھا اس کو توڑا اور کھالیا، تو ان کے جسم سے زینت و زیور سب اڑ گئے اور آدمؑ نے اپنے ہاتھ سر کے اوپر رکھ لیا اور رونے لگے۔ پھر جب اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی تو ان پر اور ان کی اولاد پر ان چار اعضاء کو پاکیزہ کرنا واجب قرار دے دیا۔ چنانچہ چہرہ دھونے کا حکم اس لئے دیا کیونکہ اس سے درخت پر نظر کی اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونے کا حکم اس لئے دیا کیونکہ ان سے ہی کھایا تھا اور سر کے مسح کا حکم اس لئے دیا کیونکہ آدمؑ نے اپنا وہی ہاتھ سر پر رکھا تھا اور پاؤں کا مسح اس لئے واجب قرار دیا کہ انہیں سے درخت کی طرف گئے تھے۔ روزہ واجب ہونے کے بارے میں بھی حدیث شریف ہے کہ یہودیوں نے سوال کیا کہ آپؐ کی امت پر تیس دن کے روزے کیوں واجب کئے گئے (اور وہ بھی صرف دن کے وقت)

آپؐ نے فرمایا: آدمؑ نے جب درخت سے جو کچھ کھایا تھا تو وہ تیس دن تک ان کے پیٹ میں باقی رہا۔ لہٰذا اللہ نے آدمؑ اور ان کی اولاد پر تیس ہی دن بھوکا اور پیاسا رہنا واجب قرار دیا، لیکن ان پر یہ فضل و کرم بھی کیا کہ راتوں میں انہیں کھانے پینے کی اجازت دے دی۔[2]

ان احادیث شریفہ سے اہل اشارات اور اصحاب قلوب کے لئے استفادہ کے بہت مواقع ہیں کہ آدمؑ کی خطا حالانکہ دوسروں کی خطاؤں جیسی نہ تھی بلکہ شاید طبعی خطا تھی یا کثرت کی طرف توجہ کی خطا جو طبیعت اور مادیت کا درخت تھا

---

[1] علل الشرائع، ج۱، ص ۲۸۰، باب ۱۹۱، حدیث ۱

[2] علل الشرائع، ج۲، ص ۳۷۸، باب ۱۰۹، حدیث ۱

یا فنائے ذاتی میں جذب ہونے کے بعد کثرت اسمائی کی طرف توجہ تھی، لیکن ایسی خطا آدمؑ جیسی شخصیت سے جو صفی اللہ اورقرب وفنائے ذاتی سے مخصوص کئے گئے تھے، متوقع نہ تھی۔ لہٰذا غیرت محبت کے تقاضے کی بنا پر ذات پاک حق نے تمام عالموں میں اور تمام انبیاء علیہم السلام کی زبان سے ان کی خطا اور گمراہی کا اعلان کرایا اور فرمایا:

وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی.[1]

پس آدمؑ نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور گمراہ ہو گئے۔

اس وجہ سے یہ تطہیر لازم ہوئی۔ خود آدمؑ کے لئے بھی اور ان کی اولاد کے لئے بھی جو ان کے صلب میں موجود تھی اورخطا میں شریک تھی، بلکہ صلب سے الگ ہونے کے بعد بھی شرکت کی۔

پس آدمؑ اور آدمؑ کی اولاد کی خطاؤں کے جس طرح مراتب و درجات ہیں، جن میں پہلا درجہ کثرت اسمائی کی طرف توجہ ہے اور آخری مرتبہ ممنوعہ درخت سے کھانا ہے جو اس درخت کی ملکوتی صورت ہے جس میں ان پھلوں اورمیوؤں کی بہت سی انواع و اقسام ہیں اور اس کی ملکی صورت مادیت اور اس کے احوال ہیں اور محبت دنیا اور نفس جواب اولاد آدمؑ میں موجود ہے درخت اور اس میں سے کھانے کی طرف میلان ہے اس طرح اولاد آدمؑ کی تطہیر وتنزیہ اور طہارت وصلاۃ وصوم کے لئے جو باپ کی خطاؤں سے باہر آنے کے لئے ہے اور جو اصل ہے، خطاؤں کے مراتب کے مطابق بہت سے مراتب ہیں۔

اس بیان سے معلوم ہوگیا کہ ابن آدم کے ہر قسم کے جسمانی گناہ اور مادی خطائیں بھی اکل شجرہ کے احوال سے ہیں اور ان کی تطہیر کا ایک طریقہ ہے اور ان کے ہر قسم کے روحانی گناہ بھی اسی سے ہیں اور ان کی تطہیر کا بھی ایک طریقہ ہے۔

کاملین کے لئے اعضائے ظاہریہ کی تطہیر، قلبی اور روحانی تطہیر کا ''سایہ'' ہے اور اہل سلوک کے لئے ظاہر کی تطہیر قلبی و روحانی تطہیر کا دستور اور ''وسیلہ'' ہے اور انسان جب تک اعضاء اور ان کی طہارت کے تعین میں پڑا ہوا ہے اور اسی حد پر رکا ہوا ہے۔ اہل سلوک میں شامل نہیں ہے اور خطا میں بقا ہے، لیکن جب طہارت ظاہریہ و باطنیہ کے مراتب سے اشتغال پیدا کرلے گا اور طہارات صوریہ کو جو قشری ہے، طہارات معنویہ کا جو مغز ہیں، وسیلہ قرار دے لے گا اور تمام عبادات و مناسک میں قلبی حقوق وفرائض کا بھی لحاظ رکھے گا اور ان سے مستفید ہوگا، بلکہ جہات باطنیہ کو جہات ظاہریہ سے زیادہ اہمیت دے گا اور ان کو اہم اور بلند مقصد قرار دے گا تو راہ انسانیت کے باب سلوک میں داخل ہو جائے گا۔

---

[1] سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۲۱

جیسا کہ مصباح الشریعہ کی حدیث شریف میں اشارہ ہوا ہے، جہاں ارشاد ہے:

وَطَهِّرْ قَلْبَكَ بِالتَّقْوٰى وَالْيَقِينِ عِنْدَ طَهَارَةِ جَوارِحِكَ بِالْماءِ.[1]

اپنے اعضاء کو پانی سے پاک کرتے وقت اپنے دل کو پرہیز گاری اور یقین کے ذریعہ پاک کرو،

لہٰذا انسان سالک کو سلوک علمی کے آغاز ہی سے لازم ہے کہ اہل ذکر سلام اللہ علیہم کی برکت سے مراتب عبادت کی تشخیص کرے اور عبادات صوریہ کو عبادات قلبیہ وروحیہ سے اتر کے آنے والی ذمہ داریاں سمجھے، تب علمی سلوک کا آغاز کرے جو سلوک کی حقیقت ہے۔ اس سلوک کی انتہا غیر حق سے تخلیہ نفس اور تجلیات اسمائی و ذاتی سے آراستگی پر ہوتی ہے اور جب اس مقام تک پہنچ جاتا ہے تو اس کا سلوک انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور غایت سیر کمال حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر نسک و عبادات کے اسرار اور سلوک کی لطافتوں کا ادراک کر لیتا ہے اور وہی تجلیات جلالیہ ہیں جو اسرار طہارت ہیں اور تجلیات جمالیہ ہیں اور دوسری عبادتوں کا ہدف اور غرض و غایت ہیں۔ ان کی تفصیل ان اوراق کی ذمہ داری سے خارج ہے۔

---

[1] مصباح الشریعہ، الباب العاشر فی الطهارة

فصل ششم

غسل اور اس کے قلبی آداب

اہل معرفت کا کہنا ہے کہ جنابت عبودیت کے وطن سے نکل کر غربت و مسافرت میں داخل ہونے، اپنی روبوبیت کا اظہار اور منیت کے دعوے، حدود مولا میں داخل ہونے اور سیادت کی صفت سے متصف ہونے کا نام ہے اور غسل ان آلودگیوں سے پاک ہونا اور اپنی تقصیر کا اعتراف ہے۔

بعض مشائخ [1] نے دس فصلوں کے ضمن میں ایک سو پچاس حال بیان کئے ہیں، جن سے سالک کو غسل کے درمیان تطہیر کرنا چاہئے جن میں اکثر یا کُل کے کُل نفس کی عزت و جبروت اور تکبر وغرور اور خود بینی وخودخواہی کی طرف پلٹتے ہیں۔

مؤلف کہتا ہے کہ جنابت مادیت میں فنا اور روحانیت سے غفلت کا نام ہے اور اس کا آخری مقصد سلطنت حیوانیت و بہیمیت کا کمال اور اسفل السافلین میں داخل ہونا ہے اور غسل اسی خطا سے نکلنا اور مادیت کے حکم سے باہر آنا اور تمام مملکت نفس کو جو مادیت میں فانی اور غرور و شیطانی میں مبتلا ہوگئی تھی، دھومانج کر سلطنت رحمانی اور تصرف رحمانی میں داخل ہونا ہے۔

لہٰذا اس کے آداب قلبیہ میں یہ ہے کہ سالک الی اللہ غسل کے وقت تطہیر ظاہر اور غسل بدن ہی پر جو ایک معمولی قشر اور دنیاوی حصہ ہے، نہ ٹھہرا رہے، بلکہ باطن قلب اور سر روح کی جنابت کی طرف توجہ رکھے اور ان کے غسل کو

---

[1] شیخ محی الدین ابن عربی مراد ہیں، الفتوحات المکیہ، ج ۱، ص ۳۶۳

زیادہ ضروری خیال کرے۔ اس کے لئے نفس بہیمیہ اورشان حیوانی کونفس انسانی وصفاتِ رحمانی پر غلبہ نہ کرنے دے اورشیطانی عذاب وغرور سے توبہ کرے اور باطن روح کو جونفحہ الٰہیہ ہے اورنفس رحمانی کے ذریعہ اس میں ودیعت کیا گیا ہے۔ شیطانی حصہ داریوں سے جوغیر کی طرف توجہ یعنی اصل شجرممنوعہ ہے، (ہوسکتا ہے) پاک کرے تاکہ اپنے باپ حضرت آدمؑ کی جنت کے لائق ہوجائے اور یادرکھے کہ اس مادیت کے درخت سے کھانا اوردنیا کی طرف توجہ اورکثرت کی طرف نظر اصل اصول جنابت ہے اور جب تک آب رحمت حق میں جوعرش رحمانی سے جاری اورتصرف شیطانی سے پاک ہےغوطہ لگا کے یاتطہیر تام کرکے اس جنابت سے پاک نہ ہوجائے اس وقت تک اس نماز کے لائق نہیں ہوتا جو حقیقت معراج قرب ہے۔

فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِطَهُور.[1]

طہارت کے بغیر نماز نہیں۔

مذکورہ حقائق کی طرف اس حدیث میں اشارہ فرمایا گیا ہے جووسائل میں شیخ صدوقؒ نے نقل کی ہے:۔

جَاءَ نَفَرٌ مِنَ الْيَهُودِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ص- فَسَأَلَهُ أَعْلَمُهُمْ عَنْ مَسَائِلَ وَ كَانَ فِيمَا سَأَلَهُ أَنْ قَالَ لِأَيِّ شَيْءٍ أَمَرَ اللَّهُ تَعَالَى بِالاغْتِسَالِ مِنَ الْجَنَابَةِ وَ لَمْ يَأْمُرْ بِالْغُسْلِ مِنَ الْغَائِطِ وَ الْبَوْلِ

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ آدَمَ ع لَمَّا أَكَلَ مِنَ الشَّجَرَةِ دَبَّ ذَلِكَ فِي عُرُوقِهِ وَ شَعْرِهِ وَ بَشَرِهِ فَإِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ خَرَجَ الْمَاءُ مِنْ كُلِّ عِرْقٍ وَ شَعْرَةٍ فِي جَسَدِهِ فَأَوْجَبَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ عَلَى ذُرِّيَّتِهِ الِاغْتِسَالَ مِنَ الْجَنَابَةِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ[2]

یہودیوں کاایک گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا۔ان کے سب سے بڑے عالم نے آپؐ سے سوالا ت کئے،جن میں ایک سوال یہ تھا کہ خدا نےغسل جنابت کاحکم کیوں دیا اور پیشاب پاخانہ کے بعدغسل کاحکم کیوں نہیں دیا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب آدم نے درخت ممنوع سے کھایا تو وہ ان کی تمام رگوں،

---

[1] کشف الغمۃ فی معرفۃ الأئمۃ (ط-القدیمۃ)/ ج1 / 431 / فی ذکرقتلہ ومدۃ خلافتہ وذکرعددأولادہ ص..... ص:427

[2] وسائل الشیعہ، ج۱،ص ۴۶۶، کتاب الطہارت،ابواب الجنابۃ، باب ۲، حدیث ۲،بحوالہ من لایحضر الفقیہ، ج۱،ص ۲۲، والمجالس،ص ۱۱۵، والعلل،ص ۱۰۴

جلد اور بالوں میں سرایت کر گیا اور مرد جب اپنی زوجہ سے ملتا ہے تو پانی (منی) اس کی تمام رگوں اور بالوں سے نکلتا ہے۔ اس لئے خدا نے قیامت تک کے لئے فرزندان آدمؑ پر غسل جنابت واجب کیا۔

وفی روایة اخریٰ عن الرضاعلیہ السلام: إِنَّمَا أُمِرُوا بِالْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ وَلَمْ يُؤْمَرُوا بِالْغُسْلِ مِنَ الْخَلَاءِ وَ هُوَ أَنْجَسُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَ أَقْذَرُ مِنْ أَجْلِ أَنَّ الْجَنَابَةَ مِنْ نَفْسِ الْإِنْسَانِ وَ هُوَ شَيْءٌ يَخْرُجُ مِنْ جَمِيعِ جَسَدِهِ وَ الْخَلَاءُ لَيْسَ هُوَ مِنْ نَفْسِ الْإِنْسَانِ إِنَّمَا هُوَ غِذَاءٌ يَدْخُلُ مِنْ بَابٍ وَ يَخْرُجُ مِنْ بَابٍ.[1]

امام رضاعلیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: یہ جو غسل جنابت کا حکم دیا گیا ہے لیکن قضائے حاجت کے بعد حکم غسل نہیں دیا گیا ہے، حالانکہ یہ زیادہ نجس اور پلید ہے، یہ اس لئے کہ جنابت کا تعلق آدمی کے نفس سے ہے اور وہ ایسی چیز ہے جو انسان کے سارے بدن سے خارج ہوتی ہے۔ لیکن خلا (پیشاب و پاخانہ) ایک غذا ہے ایک دروازے سے داخل ہوتی ہے اور دوسرے دروازے سے خارج ہوجاتی ہے۔

اگر چہ ارباب ظاہر کے نزدیک اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ چونکہ نطفہ انسان کے سارے بدن سے خارج ہوتا ہے، اس لئے تمام بدن کا غسل لازم ہوا، یہ اطبا اور حکمائے طبیعی کی رائے کے مطابق ہے، لیکن اس کو اکل شجرہ کے سبب سے بتایا جانا، جیسا کہ حدیث اول میں ہے اور جنابت کی نفس کی طرف نسبت، جیسا کہ حدیث دوم میں ہے، اہل معرفت و اشارت کے لئے معارف کی ایک راہ کھولتا ہے، کیونکہ درخت اور حضرت آدم علیہ السلام کا اس سے کھانا علوم قرآن اور علوم اہل بیت عصمت وطہارتؑ کے اسرار میں ہے جس میں کثیر معارف پوشیدہ ہیں۔ اسی لئے احادیث شریفہ میں کثیر عبادات کی تشریع کی علت وہی قضیہ اور اکل شجرہ کو قرار دیا گیا ہے۔ جیسے وضو، غسل، نماز، صوم ماہ رمضان اور ان کا تیس دن واجب ہونا اور بہت سے مناسک حج، مؤلف کی نظر میں برسوں سے یہ بات ہے کہ اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ مرتب کروں، لیکن دوسرے مشاغل مانع ہوتے رہے ہیں۔ خدائے تعالیٰ سے توفیق وسعادت کی دعا کرتا ہوں۔

الغرض، تم فرزند آدمؑ، دیدار قدرت کا دانہ اور لقائے الٰہی کا تخم ہو اور تمہیں معرفت کے لئے خلق کیا گیا ہے اور خدائے تعالیٰ نے تمہیں اپنے لئے منتخب کیا ہے اور اپنے جلال و جمال کے دو ہاتھوں سے تمہارا خمیر تیار کیا ہے اور مسجود

[1] وسائل الشیعۃ/ ج 2/ 180/ 2 باب وجوب الغسل من الجنابۃ وعدم وجوبہ من البول والغائط..... ص: 178

ملائکہ اور محسود ابلیس قرار دیا ہے۔ اگر چاہتے کہ جنابت پدر سے جو تمہاری اصل ہے، نکل آؤ اور لقائے محبوب کے لائق ہو جاؤ اور مقام انس اور محضر قدس تک پہنچنے کی استعداد پیدا ہو جائے تو لازم ہے کہ رحمت حق کے پانی سے باطن دل کو غسل دو اور اقبال بہ دنیا (دنیا کی طرف توجہ) سے جو شجرۂ ممنوعہ کے مظاہر میں سے ایک ہے توبہ کرلو اور اپنے دل کو جو جلال جمیل اور جمال کی محفل ہے، محبت دنیا اور اس کے احوال خبیثہ سے جو شیطانی گندگی ہے، دھوکر الگ کر ڈالو، کیونکہ ملاقات حق کی جنت پاک و پاکیزہ لوگوں کے لئے ہے **(ولا یدخل الجنۃ الا الطیب)**[1]

شست و شوئی کن و آنگہ بخرابات خرام [2]

آب رحمت سے نہا دھو کے خرابات میں جا

---

[1] **والجنۃ لا ید خلھا الا الطیب**، جنت میں پاکیزہ کے علاوہ کوئی داخل نہ ہوگا، اصول کافی، ج ۳، ص ۳۷۱، کتاب الایمان والکفر، باب الذنوب، حدیث ۷

[2] شست و شوئی کن و آنگہ بہ خرابات خرام
تانگردد زتو این دیر خواب آلودہ

حافظ شیرازی

فصل ہفتم

ازالہ نجاست اور تطہیر خبائث کے کچھ قلبی آداب

ازالہ حدث، جیسا کہ بیان ہو چکا، انیت اور انانیت سے نکلنا اور نفسیت سے فنا ہو جانا ہے، بلکہ بیت النفس سے کلیۃً نکل آنا ہے اور جب تک بندہ میں خودی سے کچھ بھی باقی ہے وہ محدث ہے اور حدث اکبر کی حالت میں ہے اور عابد و معبود اس کی ذات میں شیطان اور نفس ہیں۔ اہل طریقت وسلوک کی منازل سیر، اگر مقامات تک پہنچنا اور معارج و مدارج تک کو حاصل کرنا ہے اور یہ سیر وسلوک تصرف شیطان سے خارج نہیں ہے۔ بلکہ ذاتی اغراض کے لئے ہے۔ یہ سیر وسلوک نفس کی منزلوں میں ہے اور سیر بیت النفس کے بیچوں بیچ ہو رہی ہے۔ ایسا سالک مسافر و سالک نہیں، نہ اللہ و رسولؐ کی طرف ہجرت کر رہا ہے اور حدث اکبر سے جو عین عبد ہے، پاک نہیں ہوا۔ جب اس حدث سے پوری طرح تطہیر ہو جائے گی تو عابد بھی حق ہو گا اور معبود بھی حق ہو گا۔

و کنت سمعه وبصره،[1]

جو قرب نافلہ کا نتیجہ ہے، اسی اعتبار سے حدث سے طہارت میں تمام بدن کا غسل لازم ہے، کیونکہ کسی طرح سے بھی عین عبد باقی ہے اس وقت تک حدث مرتفع نہیں ہوتا۔

---

[1] یہ اشارہ ایک حدیث کی طرف حدیث یہ ہے:

كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِه (الكافی (ط- الإسلامية) / ج 2/ 352/ باب من آذى المسلمين و احتقرهم ..... ص: 350)

أَنَّ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَة.[1]

ہر بال کے نیچے جنابت ہے۔

لہٰذا حدث سے تطہیر اصل میں حدوث سے تطہیر ہے اور بحر قدوم میں فنا ہو جانا ہے اور اس کا کمال کثرت اسمائی سے خروج ہے جو باطن شجر ہے۔ اس خروج کے بعد آدمؑ کی اس خطا سے باہر آ جائے گا جو آدم کی اولاد میں سرایت کئے ہے اور وہی اصل ذریت ہے۔

پس حدث ایک معنوی آلودگی ہے اور اس تطہیر امور غیبیہ باطنیہ میں ہے اور نور ہے۔ لیکن وضو نور محدود ہے اور غسل نور مطلق ہے۔

أَيُّ وُضُوءٍ أَنْقَى مِنَ الْغُسْل.[2]

غسل سے زیادہ پاکیزہ کونسا وضو ہے۔

خبث اور نجاسات ظاہریہ کے ازالہ کو یہ درجہ حاصل نہیں ہے، کیونکہ وہ صوری تنظیف اور ظاہری تطہیر ہے اور اس کے قلبی آداب یہ ہیں کہ جو بندۂ سالک محضر حق میں حاضری کا ارادہ کر رہا ہے وہ جان لے کہ شیطان خبیث کے رجس وخبث کے ساتھ محضر حق میں راہ پانا ممکن نہیں اور جب تک بنیادی اخلاقی برائیوں کو جو انسانیت کے ترقی یافتہ اور باکمال شہر کا مبدا فساد اور ظاہری و باطنی خطاؤں کا منشا ہیں، راہ پانے دے گا، مقصد کی طرف کوئی راستہ نہ ملے اور مقصود کو حاصل کرنے کا کوئی طریقہ ہاتھ نہ آئے گا۔

شیطان، جو عالم قدس کے جوار میں رہتا تھا اور کروبین کے زمرہ میں شمار ہوتا تھا، آخر کار عادات خبیثہ کی وجہ سے مقربین بارگاہ کے مقام سے دور اور فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيْمٌ،[3] (جنت سے باہر ہو، کیونکہ تو دھتکارا ہوا ہے) کی پکار کے ساتھ راندۂ درگاہ کر دیا گیا، تو ہم جو کاروان عالم غیب سے پچھڑ گئے ہیں، مادیات کے گہرے کنویں میں پڑے ہوئے ہیں اور اسفل السافلین میں پلٹا دیئے گئے ہیں شیطان ی خبیث عادات و اطوار رکھتے ہوئے کس طرح محضر قدس کے لائق ہو سکتے ہیں اور کیسے روحانیین کا جوار مقربین کی رفاقت حاصل کر سکتے ہیں۔ شیطان نے خود بینی کا مظاہرہ کیا تھا اور اپنی ناریت پر توجہ کی اور "اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ"[4] (میں اس سے بہتر ہوں) کہا تھا۔ نفس کی یہ خود پسندی تکبر

---

[1] بحار الانوار، ج ۷۸، ص ۵۱، کتاب الطہارۃ، باب وجود غسل الجنابۃ، حدیث ۲۳

[2] وسائل الشیعۃ/ ج 2 / 247 / 34 باب عدم جواز الوضوء مع غسل الجنابۃ قبلہ ولا بعدہ..... ص: 246

[3] سورہ ص، آیت ۷۷، سورۂ حجر: ۳۴

[4] سورہ ص، آیت ۷۶

وخود پرستی کا سبب بن گئی اورآدمؑ کی تحقیر وتوہین کرنے لگا۔ "خَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ"[1] کہہ کے ایک غلط اور بالکل قیاس کیا۔ آدمؑ کی خوبی اور ان کا روحانی کمال نہیں دیکھا۔ آدمؑ کے ظاہر اور مقام طینیت وتربیت کو دیکھا اور اپنے مقام ناریت کو اپنی خود بینی وخودخواہی کے شرک سے غافل ہوگیا۔ حب نفس رویت نقص کا پردہ اوراس کے عیوب کے شہود کا حجاب بن گئی۔ یہ خود بینی وخودخواہی، تکبر وخود پرستی، ریاوخودنمائی اور معصیت وخود رائی کا سبب بن گئی اورمعراج قدس سے مادیت کے اندھیرے گھر کی سرگرانی میں پھینک دیا گیا۔

لہٰذا سالک الیٰ اللہ کو چاہئے کہ صوری ارجاس و ادناس کی تطہیر کے وقت بنیادی رذائل اور باطنی شیطانی گندگیوں سے اپنی تطہیر کرے اور آب رحمت حق اورشرعی ریاضت سے اپنے عالی شان شہر کی دھلائی کرے۔ قلب کا تصفیہ کرے جوحق کی جلوہ گاہ ہے۔ حب جاہ وشرف کی نعلین اتاردے تاکہ وادی مقدس (ایمن) میں داخل ہونے کے لائق ہوجائے اورتجلی رب کے قابل ہوجائے اورجب تک ارجاس خبیثہ سے تطہیر نہ ہوجائے گی احداث سے تطہیر ممکن نہ ہوگی، کیونکہ ظاہر کی تطہیر باطن کی تطہیر کا مقدمہ ہے۔ جب تک دستور شریعت کے مطابق مکمل ملکی و دنیائی تقویٰ حاصل نہ ہوجائے گا، اس وقت تک تقوائے قلبی ظاہر نہ ہوگا اور جب تک ان امور کے ذریعہ جن کا شمار کی جاچکا، تقوائے قلبی حاصل نہ ہوگا۔ باطنی اورحقیقی روحانی تقویٰ نہیں پیدا ہوسکتا اورتقویٰ کے تمام مراتب اسی باطنی تقویٰ کا مقدمہ ہیں جو ترک غیرحق سے عبارت ہے۔

جب تک سالک میں انانیت کا کوئی ذرہ ذاتی ہے، اس کے باطن میں تجلی نہیں پید ہوسکتی۔ ہاں! کبھی ایسا ضرور ہوسکتا ہے کہ رحمت خود ہی بڑھے اورجذبۂ ید الٰہی کے غلبہ کی وجہ سے سالک کی غیبی دستگیری ہوجائے اورشعلہ الٰہیہ انیت کے باقی ماندہ خس وخاشاک کوجلا کر خاکستر کردے۔ ہوسکتا ہے کہ پہاڑ پرحق کی تجلی اوراس کا ریزہ ریزہ ہونا اورحضرت موسیٰؑ کا غش کھا جانا اسی بات کی طرف اشارہ ہو۔ سالک مجذوب اورمجذوب سالک کے درمیان بھی یہی فرق ہے اور اہل حقیقت انہیں ذکرشدہ باتوں میں سے جاننے کے قابل کسی ایسے ایک نکتے اوراہم مطلب کوگرفت میں لے لیتے ہیں، جس سے ناواقف رہنا بہت سی گمراہیوں اورسرگردانیوں کے پیدا ہونے اور راہ حق سے پیچھے رہ جانے کا سبب ہوتا ہے اورکسی طالب حق کے لئے اس سے ناواقف رہنا رواس سے غفلت کرنا جائزنہیں ہے۔

جاننے کے قابل وہ نکتہ اور اہم مطلب یہ ہے کہ شخص سالک اورطالب حق کو چاہئے کہ خودکو بعض جاہل اہل تصوف اورظاہر میں غافلوں کی افراط وتفریط سے دور رکھے تاکہ اس کے لئے سیر الی اللہ ممکن ہوجائے، کیونکہ ان میں سے

[1] سورہ ص، آیت ۷۶

بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ ظاہری علم وعمل ایک زائد اور فالتو چیز ہے اور جاہلوں اور عالم لوگوں کے لئے ہے، لیکن وہ لوگ جو اہل اسرار اور اہل حقیقت ہیں اور اصحاب قلوب اور ارباب سابقہ حسنیٰ ہیں انہیں ان اعمال کی احتیاج نہیں ہے۔ یہ ظاہری اور قالبی اعمال قلبی حقائق کو حاصل کرنے اور مقصد تک پہنچنے کے لئے ہیں اور جب سالک اپنے مقصد تک پہنچ چکا تو مقدمات میں پڑے رہنا مقصد سے دور ہو جاتا ہے اور کثرت میں مشغول رہنا حجاب ہے۔

اسی کے مقابل دوسرے گروہ نے تفریط کا رخ اختیار کیا ہے اور معنوی مقامات اور الٰہی اسرار ہی کے منکر ہو گئے ہیں۔محض ظاہر وصورت وقشر کے سوا دیگر امور کو یکسر نہیں مانتے اور ان امور کو تخیلات اور اوہام قرار دیتے ہیں۔ ان دونوں گروہوں کے برابر کشمکش اور آویزش وخصومت چلی آ رہی ہے۔ ہر ایک گروہ دوسرے گروہ کو مخالف شریعت سمجھتا ہے۔

مگر حق یہ ہے کہ دونوں ہی گروہ حسد اعتدال سے کچھ الگ ہو گئے ہیں۔ ایک افراط کا شکار ہے اور دوسرا تفریط کا۔ ہم نے رسالہ (سر الصلوۃ) میں اس موضوع کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس مقام پر بھی راہ اعتدال، جو صراط مستقیم ہے، بتاتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ صوری مناسک اور قالبی عبادات صرف کامل روحانی ملکات اور قلبی حقائق حاصل کرنے کے لئے نہیں ہیں، بلکہ یہ تو ان عبادات کا ایک ثمرہ ہیں۔ لیکن اہل معرفت کے نزدیک اور اصحاب قلوب کی نظر میں تمام عبادات معارف الٰہیہ کو باطن سے ظاہر میں اور رمز سے آشکار اشکل میں نفوذ دینے کا نام ہے اور جس طرح رحمت رحمانیہ بلکہ رحیمیہ کی نعمت تمام انسانی قلبی وجسمانی ترقی کے مراحل میں پھیلی ہوئی ہے اور اللہ کی جامع نعمتوں میں سے ہر مرتبہ کا ایک حصہ ہے، ہر ایک کو واجب مطلق کی رحمانی ورحیمی نعمت پر شکر اور ثنائے حق کا حصہ اور نصیب ہے اور جب تک نفس کا دنیا کے صوری خلقت میں حصہ ہے اور حیات ملکی نصیب ہے، اس وقت تک کثرت کی بساط یکسر اٹھ نہیں کی جاتی ہے اور مادیت کے حظوظ وحقوق مرتفع نہیں ہو جاتے اور سالک الی اللہ کے لئے جس طرح یہ ضروری ہے کہ قلب کو غیر حق میں مشغول نہ ہونے دے اسی طرح سینہ، خیال اور ملک طبیعت کو بھی غیر حق میں مصروف نہیں کرنا چاہئے تاکہ قدم کے تمام زندگی کے تمام مراحل میں توحید وتقدیس راسخ ہوجائے اور اگر روحانی جذبہ کو ملک طبیعت (مادیت) میں حق کے لئے تواضع وبندگی کے علاوہ اور بھی کچھ نتیجہ حاصل ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انانیت نفس کچھ باقی رہ گئی ہے اور سالک کی سیر یت نفس کے پیچ ہی میں ہے، سیر الی اللہ نہیں ہے۔

اہل اللہ کی سیر کی انتہا یہ ہے کہ طبیعت وملک کو صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) میں رنگ دیں اور شاید حدیث شریف کے مراتب وبواطن میں ہے جو لسان حق تعالیٰ سے نکلی ہے (حدیث قدسی میں ہے)

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ يَقُولُ أَنَا الرَّحْمٰنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَ شَقَقْتُ لَهَا اسْماً مِنِ اسْمِي

فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعْتُه.[1]

میں ہوں اللہ، میں ہوں رحمٰن، رحم (قرابت داری) کو میں نے پیدا کیا اور اس کے نام کو اپنے ہی نام سے نکالا۔ پس جو شخص صلہ رحم کرتا ہے میں اس سے قریب ہو جاتا ہوں اور جو قطع رحم کرتا ہے میں اس سے رشتہ توڑ لیتا ہوں۔

ایک مرتبہ اور ایک باطن یہی قطع طبیعت (مادیت) کو اس کے اصلی مرکز سے قطع کرنا ہو اور اس کا وصل اس کی ریاضت اور اس کو اس کے موطن عبودیت کی پلٹانا ہے، کیونکہ طبیعت ہی ام الارواح ہے۔

وفی الحدیث عن ابی عبداللہ علیہ السلام قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اسْتَوْصُوا بِعَمَّتِكُمُ النَّخْلَةِ خَيْراً، فَإِنَّهَا خُلِقَتْ مِنْ طِينَةِ آدَمَ علیہ السلام.[2]

اپنی پھوپھی، درخت خرما کے بارے میں اچھا سلوک کرو، کیونکہ اسے طینت آدمؑ سے پیدکیا گیا ہے۔

اس حدیث شریف میں اسی (رحیمیت) کی طرف اشارہ ہے جو مذکور ہوئی۔

الغرض، مملکت ظاہر کو موطن عبودیت سے نکال باہر کرنا اور اسے خودسر بنانا اہل معرفت کے مقامات سے انتہائی ناواقفیت کا ثبوت ہے اور شیطان مردود کی ایک چال ہے جو ہر گروہ کو کسی بھی طریقہ سے حق تعالیٰ کی عبادت سے روکتا ہے۔ چنانچہ مقامات کا نکار اور طریق معارف کو روکنا جو اولیائے خداؑ کی خنکی چشم ہے اور شرائع الٰہیہ کو ظاہر میں محدود کرنا جو نفس کے ملک اور اس کے مقام حیوانیت کا ایک حصہ ہے اور عبادت کے باطنی اسرار و آداب سے غفلت جو روح کی تطہیر اور قلب کی تعمیر اور باطن کی ترقی کا موجب ہے انتہادرجہ کی غفلت و نادانی ہے۔ ان دونوں گروہوں میں سے ہر ایک انسانیت کے طریق سعادت اور صراط مستقیم سے دور اور اہل معارف کے مقامات سے مہجور ہے۔ جبکہ عارف باللہ اور مقامات کے جاننے والے کو چاہئے کہ تمام باطنی اور ظاہری حقوق کی مراعات کرے اور صاحب حق کو اس کا حق دے اور غلو و تقصیر اور افراط و تفریط سے اپنی تطہیر کرے اور صورت شریعت کے انکار کی آلودگیوں کا ازالہ کرے جو فی الحقیقہ تحدید ہے اور باطن شریعت کے انکار کی خباثت کا ازالہ بھی کرے جو تقیید ہے، اور یہ دونوں شیطان لعین کے وسوسے اور خباثتیں ہیں تا کہ سیر الی اللہ اور مقامات معنویہ تک رسائی آسان ہو جائے۔

---

[1] بحار الانوار، ج ۷۱، ص ۹۵، بحوالہ معانی الاخبار، ص ۳۰۲

[2] بحار الانوار، ج ۶۶، ص ۱۲۹، بحوالہ محاسن، ص ۵۲۸

پس ازالہ خبث کے مراتب میں سے ایک اوہام فاسدہ کی خباثت کا ازالہ ہے جو قرب خدا اور معراج مومنین سے مانع ہے۔ نبوت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامعیت کے معانی و مقامات میں ایک، بلکہ ان کی خاتمیت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ تمام نفسانی مقامات میں نفس کے حقوق کا شریعت کے تمام احوال میں پورا پورا خیال رکھا ہے اور جس طرح ربوبیت کا اعلیٰ ترین اور ادنیٰ ترین حق پہنچوا دیا ہے اور جامعیت کے ساتھ اس کی معرفت کرادی ہے اور کبھی ارشاد ہوا ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ.[۱]

وہی آغاز ہے وہی انجام، وہی آشکار ہے وہی پوشیدہ۔

کبھی فرمایا:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ..... الآية.[۲]

خدا آسمان و زمین کا نور ہے۔

کبھی سمجھایا ہے:

لَوْ دُلّيتُمْ بِحَبْلٍ إِلَى الأَرضينَ السُّفْلى لَهَبطْتُمْ عَلَى اللّٰهِ.[۳]

اگر رسیوں کے ذریعہ تم زمینوں کے نیچے بھیجے جاؤ تو خدا تک پہنچ جاؤ۔

اور کبھی اس طرح راہنمائی کی گئی ہے۔

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ.[۴]

کسی طرف بھی رخ کرو اسی طرف خدا کا رخ ہے۔

معارف الٰہیہ کے جاننے والے کو اور مجذوب جذبات رحمانیہ کو ان آیات کے مطالعہ سے ایک ملکوتی کیف و طرب اور ایک لاہوتی وجد پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح توحید عملی قلبی کو بھی افق طبیعت اور ملک بدن کے آخری مراتب تک نفوذ دے دیا ہے اور کسی موجود و مخلوق کو اللہ کی معرفت کے حق سے محروم نہیں رکھا۔

---

[۱] سورۂ حدید، آیت ۳

[۲] سورہ نور: ۳۵

[۳] علم الیقین، ج۱، ص ۵۴

[۴] سورہ بقرہ، آیت ۱۱۵

الغرض اہل تصوف حکمت عیسویہ کی بات کرتے ہیں، حالانکہ اسے کچھ بھی نہیں جانتے اور اہل ظاہر حکمت موسویہ کا دم بھرتے ہیں، حالانکہ اس کی کچھ بھی معرفت نہیں رکھتے اور محمدیوں ان دونوں سے بطور تقیید بری ہیں۔
اس اجمال کی تفصیل ان اوراق کی ذمہ داری سے خارج ہے اور یہاں بیان کئے جانے کے قابل نہیں ہے۔

وصل:

عن مصباح الشریعة قال الصادق علیہ السلام: إِنَّمَا سُمِّيَ الْمُسْتَرَاحُ مُسْتَرَاحاً لِاسْتِرَاحَةِ الْأَنْفُسِ مِنْ أَثْقَالِ النَّجَاسَاتِ وَ اسْتِفْرَاغِ الْكَثَافَاتِ وَ الْقَذَرِ فِيهَا وَ الْمُؤْمِنُ يَعْتَبِرُ عِنْدَهَا أَنَّ الْخَالِصَ مِنْ حُطَامِ الدُّنْيَا كَذَلِكَ يَصِيرُ عَاقِبَتُهُ فَيَسْتَرِيحُ بِالْعُدُولِ عَنْهَا وَ بِتَرْكِهَا وَ يُفَرِّغُ نَفْسَهُ وَ قَلْبَهُ مِنْ شُغْلِهَا وَ يَسْتَنْكِفُ عَنْ جَمْعِهَا وَ أَخْذِهَا اسْتِنْكَافَهُ عَنِ النَّجَاسَةِ وَ الْغَائِطِ وَ الْقَذَرِ وَ يَتَفَكَّرُ فِي نَفْسِهِ الْمُكَرَّمَةِ فِي حَالٍ كَيْفَ تَصِيرُ ذَلِيلَةً فِي حَالٍ وَ يَعْلَمُ أَنَّ التَّمَسُّكَ بِالْقَنَاعَةِ وَ التَّقْوَى يُورِثُ لَهُ رَاحَةَ الدَّارَيْنِ فَإِنَّ الرَّاحَةَ فِي هَوَانِ الدُّنْيَا وَ الْفَرَاغِ مِنَ التَّمَتُّعِ بِهَا وَ فِي إِزَالَةِ النَّجَاسَةِ مِنَ الْحَرَامِ وَ الشُّبْهَةِ فَيُغْلِقُ عَنْ نَفْسِهِ بَابَ الْكِبْرِ بَعْدَ مَعْرِفَتِهِ إِيَّاهَا وَ يَفِرُّ مِنَ الذُّنُوبِ وَ يَفْتَحُ بَابَ التَّوَاضُعِ وَ النَّدَمِ وَ الْحَيَاءِ وَ يَجْتَهِدُ فِي أَدَاءِ أَوَامِرِهِ وَ اجْتِنَابِ نَوَاهِيهِ طَلَباً لِحُسْنِ الْمَآبِ وَ طِيبِ الزُّلْفَى وَ يَسْجُنُ نَفْسَهُ فِي سِجْنِ الْخَوْفِ وَ الصَّبْرِ وَ الْكَفِّ عَنِ الشَّهَوَاتِ إِلَى أَنْ يَتَّصِلَ بِأَمَانِ اللَّهِ تَعَالَى فِي دَارِ الْقَرَارِ وَ يَذُوقَ طَعْمَ رِضَاهُ فَإِنَّ الْمُعَوَّلَ ذَلِكَ وَ مَا عَدَاهُ فَلَا شَيْءَ۔[1]

مستراح (بیت الخلاء) کو مستراح اس لئے کہتے ہیں کہ نفوس اس جگہ نجاسات کی سنگینی سے راحت پاتے ہیں اور گندگیوں (بدن سے) کارج ہو جاتی ہیں اور مرد مومن عبرت حاصل کرتا ہے کہ خالص ترین متاع دنیا آخر میں اس صورت میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ تب مال دنیا سے آسانی کے ساتھ منہ پھیر لیتا ہے اور اس کی طرف نہیں جاتا اور جان و دل کو اس کی فکر سے آزاد کر لیتا ہے

[1] مصباح الشریعہ، الباب التاسع، فی المبرز)

اور جس طرح اپنی نجاست و گندگی سے پرہیز کرتا ہے اسی طرح مال کی محبت اور جمع آوری سے بچتا ہے اور اپنے نفس کے بارے میں سوچتا ہے کہ کس طرح کبھی باعزت ومحترم ہے اور کبھی ذلیل و خوار اور جان لیتا ہے کہ تقویٰ اور قناعت کا التزام دونوں جہان کی راحت کا سبب ہے اور یہ کہ آرام دنیا کو معمولی سمجھنے اور اس سے استفادہ کرنے سے بے نیاز رہنے اور حرام وشبہ کی نجاست سے پاک رہنے میں ہے اور اپنے نفس کو پہنچاننے کے بعد تکبر کا دروازہ اس پر بند کردیتا ہے اور گناہوں سے دور بھاگتا ہے اور تواضع وشرم وحیا کا دروازہ اس کے لئے کھول دیتا ہے اور حسن عاقبت اور قرب حق کی لذت حاصل کرنے کے لئے اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے اجتناب کی کوشش کرتا ہے اور اپنے نفس کو خوف وصبر اور شہوات کے روکنے کے زندان میں قید کر دیتا ہے۔ یہاں تک دار القرار میں خدا کی امان سے متصل ہوجائے اور اس کی خوشنودی کا ذائقہ چکھے، کیونکہ یہی اعتماد کے لائق ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

اس مبارک کلام میں اہل معرفت وسلوک کے لئے ایک جامع دستور بیان کیا گیا ہے کہ دار آخرت کے بیدار سالک کو چاہئے کہ ہر حال میں روحانی حقوق کو ادا کرے اور کسی حال میں بھی اپنی بازگشت سے غافل نہ ہو۔ لہٰذا حکماء نے کہا ہے:

النبی خادم القضاء کما ان الطبیب خادم البدن۔ [1]

پیغمبر خادم قضا ہوتا ہے جیسے طبیب خادم بدن ہوتا ہے۔

انبیائے عظام اور اولیائے کرام علیہم السلام کی نظر چونکہ قضائے الٰہی اور جنبۂ ید الٰہی کے علاوہ کسی اور طرف نہیں ہوتی اور ان کے دلوں پر ملکوت قضائے الٰہی کی حکومت ہوتی ہے اس لئے وہ جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ تمام امور کا اجرا اللہ کے فرشتوں اور اللہ کے لشکر کے ہاتھ میں ہے اور طبیب جسمانی چونکہ اس مرحلہ سے دور اور اس وادی سے ناواقف ہے اس لئے امور طبیعیہ کے اجراء کی نسبت طبعی قوتوں کی طرف دیتا ہے۔

الغرض، انسان سالک کو تمام احوال میں اور تمام امور سے اپنے مملوک کے حقوق سے فائدہ حاصل کرنا چاہئے۔ پھر جب مال دنیا اور عالم ملک کی لذتیں روبہ زوال نظر آنے لگے اور آخر کار ان کا فاسد ہونا اور ختم ہونا نظر آئے، تو آرام کے ساتھ دل کو ان سے روگرداں کرلے، اور اپنے قلب کو ان میں مشغول رہنے اور ان کے جمع کرنے سے فارغ کر لے

[1] حکما کا قول ہے۔

اوران سے اس طرح کنارہ کش ہوجائے جیسے گندگیوں سے کنارہ کشی کی جاتی ہے۔ عالم طبیعت کا باطن گندگیاں ہی ہیں اور نیند کے عالم میں جو مکاشفہ کا ایک باب ہے دنیا اور مال دنیا کی تعبیر کثافت اور آلودگیوں ہی سے کی گئی ہے اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے مکاشفہ میں جیفہ اور مردار ہے۔[1]

پس مومن کو چاہئے کہ جس طرح مادی فضلات اور اثقال سے خود کو فارغ کرتا ہے اور مادی شہر کو ان کی اذیت کاری سے نجات دلا کر راحت و آرام پہنچاتا ہے اس طرح قلب کو اس کی کثافتوں اور اشتغال وتعلق دنیا و مال دنیا سے نجات دلا کر راحت و آرام پہنچائے اور حب دنیا اور حب جاہ کا باز دل سے ہٹادے اور روحانی فضائل کے شہر کو ان سے فارغ و مطمئن کردے اور غور کرے کہ دنیا کا اشتغال چند گھنٹوں ہی میں نفس شریف کو کس قدر ذلیل وخوار کر دیتا ہے اور اس کو کیسے بدترین اور انتہائی ذلت آمیز حالات سے دوچار کر دیتا ہے۔ سمجھے کہ عالم سے قلبی اشتغال پردہ ملک اٹھنے کے ذرا دیر بعد ہی اور حجاب مادیت کے چاک ہوتے ہی انسان کو ذلیل وخوار اور حساب وعقاب میں گرفتار کر دیتا ہے۔ جان لے کہ تقویٰ اور قناعت سے وابستگی ہی دنیا میں راحت کا موجب ہوتی ہے اور راحت اس میں ہے کہ دنیا کی ذلیل و ناچیز خیال کرے اور اس سے لذت و فائدہ حاصل نہ کرے اور جب خود کو صوری نجاسات سے پاک کرلے تو حرام اور شبہ کی نجاسکتوں سے بھی پاک کرے اور جب خود پہچان لے اور اپنی احتیاج کی ذلت کو سمجھ لے تو کبر و بزرگی کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلے اور سرکشی و گناہ سے دور بھاگ جائے اور اپنے اوپر تواضع وندامت اور خجالت کا دروازہ کھول لے اور حق کی فرمانبرداری اور اس کی نافرمانی سے دوری کی جدو جہد کرے تاکہ بحسن وخوبی حق کی طرف رجوع کر سکے اور پاکیزگی و صفائے نفس کے ساتھ بارگاہ قدس میں تقرب حاصل کرلے اور خود کو اپنے نفس کے ساتھ خوف وصبر اور خواہشات نفسانی سے بچاؤ کے زندان میں قید کرلے تاکہ غذاب الٰہی کے زندان سے امان مل جائے اور دارقرار میں خدا کی ذات مقدس کی پناہ میں آجائے اور اس حال میں رضائے حق کا ذائقہ چکھے۔ یہی اہل سلوک کی آخری امید ہے۔ اس کے سامنے کسی اور چیز کی کوئی قیمت نہیں۔

[1] نہج البلاغہ، فیض الاسلام، خطبہ ۱۰۸، اقبلوا علی جیفة قد افتضحوا بأکلها ... ، خطبہ ۱۵۱، ویتکالبون علی جیفة مریحة

مقصد دوم

لباس کے کچھ آداب

اس میں دو مقامات ہیں

قَالَ الْحُسَیْنُ علیہ السلام:

اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ فَاِنْ اسْتَطَعْتَ اَنْ تُؤَخِّرَهُمْ اِلٰی غَدْوَةٍ وَ تَدْفَعَهُمْ عَنَّا الْعَشِیَّةَ لَعَلَّنَا نُصَلِّیْ لِرَبِّنَا اللَّیْلَةَ وَ نَدْعُوْهُ وَ نَسْتَغْفِرُهُ فَهُوَ یَعْلَمُ اَنِّیْ قَدْ كُنْتُ اُحِبُّ الصَّلاةَ لَهٗ وَ تِلاوَةَ كِتَابِهٖ وَ كَثْرَةَ الدُّعَآءِ وَ الْاِسْتِغْفَارِ۔ [1]

جب عاشور کی رات میں عمر سعد (ملعون) کے لشکر نے حملہ کرنا چاہا تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام سے فرمایا:

ان کے پاس جا کر کل تک کے لئے مہلت لے لو،

رات میں انہیں حملہ سے روک دو

تا کہ آج رات (جی بھر کے) ہم اپنے رب کی بارگاہ میں نماز پڑھ لیں،

دعا کر لیں اور اس سے بخشش کی دعا کر لیں۔

---

[1] موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ: ص ۳۹۲، ح ۳۷۹

مقام اول

مطلق لباس کے آداب

بدن کا ظاہر

نفس ناطقہ انسانی ایک ایسی حقیقت ہے جو عین وحدت اور کمال بساطت میں چند نشئات کا حامل ہے۔جن میں کلی طور سے سب سے اہم تین نشئات ہیں۔

اول: نشئہ ملکیہ دنیاویہ ظارہ، جس کا مظہر حواس ظاہرہ ہیں اور اس ملک بدن کا ایک ادنیٰ قشر ہے۔

دوم: نشئہ برزخیہ متوسطہ، جس کا مظہر حواس باطنہ، بدن برزخی اور قالب مثالی ہے۔

سوم: نشئہ غیبیہ باطنہ، جس کا مظہر قلب اور احوال قلب ہیں۔

ان مراتب میں ہر ایک کی دوسرے سے نسبت وہی ہے جو ظاہر کو باطن سے اور جلوہ کو جلوہ گاہ سے ہوتی ہے۔ اسی لئے ہر مرتبہ کے آثار وخواص اور انفعالات دوسرے مرتبے میں سرایت کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر حسہ بصری کسی شے کا ادراک کرے تو اس کا اثر حس بصری برزخی پر بھی، اس نشئہ کے تناسب سے پڑتا ہے اور اس سے بصر قلبی باطنی پر اس نشئہ کے تناسب سے اثر پڑتا ہے۔اسی طرح قلبی آثار دوسرے نشئہ میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ بات جہاں محکم وقوی برہان سے ثابت ہوتی ہے وہاں وجدان کے مطابق بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام ہی شرعی صوری آداب کا باطن پر اثر آثار مترتب ہوتے ہیں اور اخلاق جمیلہ میں سے بھی ہر ایک کے جو نفس کے مقام برزخیت کے حقوق میں سے ہیں۔ ظاہر و باطن پر اثرات ہوتے ہیں۔ مثلا ایمان اس بات پر کہ مملکت وجود اور عوالم غیب وشہود میں حق تعالیٰ متصرف ہے اور دوسرے موجودات کا ان پر کوئی تصرف نہیں ہے، اور ہے تو تصرف اذنی ظلی، انسان کے بہت سے نفسانی کملات اور اخلاق فاضلہ کا سبب ہوتا ہے۔ مثلاً حق پر توکل و اعتماد اور مخلوق سے طمع نہ رکھنا جو تمام کمالا ت کی اصل (ام الکمالات) ہے اور بہت سے اعمال صالحہ اور افعال حسنہ کے بجالانے اور بہت سی برائیوں کو ترک کرنے کے موجب ہوتا ہے۔ اسی طرح تمام معارف، جن کا شمار اور ان کی تاثیرات کے بیان کا نہ ان اوراق میں حوصلہ ہے اور نہ مؤلف کے شکستہ قلم میں طاقت ہے۔ اس کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے جو کسی اہل معرفت کے مضبوط قلم یا اہل حال کے

نفس گرم سے وجود میں آئے۔ دست ما کوتاہ وخرما برنخیل ۔[1]

بطور مثال (رضا) کا خلق بھی انسانیت کے اخلاق کمالیہ میں سے ایک ہے اور نفس کو جلاء و صفا دینے میں کثیر اثرات رکھتا ہے۔جس سے قلب پر خاص الٰہی تجلیات کا ورود ہوتا ہے اور ایمان کو کمال ایمان اور کمال ایمان کو طمانینت اور کمال کو کمال طمانینت اور کمال طمانینت کو مشاہدہ تک اور مشاہدہ کو کمال مشاہدہ تک اور کمال مشاہدہ کو معاشقہ تک اور معاشقہ کو کمال معاشقہ تک اور کمال معاشقہ کو مراودت تک اور مراودت کو کمال مراودت تک اور کمال مراودت کو مواصلت تک اور کمال مواصلت کو کمال مواصلت تک اور وہاں تک (خلق رضا) انسان کو پہنچا دیتا ہے جو ہمارے آپ کے گمان میں بھی نہیں آ سکتا۔ ملک بند اور صوری آثار و افعال میں جو شاخ و برگ کی حیثیت رکھتے ہیں، عجیب وغریب تاثیر کرتا ہے۔ سماعت و بصارت ار دوسرے اعضاء کو الٰہی بنا دیتا ہے اور (**کنت سمعه و بصره**).[2]

کے راز کو ایک حد تک ظاہر تا ہے اور جس طرح ان مراتب کی ظاہر پر تاثیر، بلکہ تاثیرات ہوتی ہیں اسی طرح ظاہری ہیئت اور تمام عادی اور غیر عادی حرکات وسکنات اور تمام تروک و افعال ان مراتب پر اثر انداز ہوتے ہیں اور بہت عجیب انداز میں۔ چنانچہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بندگان خدا پر ایک ہی حقارت آمیز نظر ڈالنے سے سالک اوج کمال سے اسفل سافلین میں گر پڑتا ہے اور مدتوں اس کی تلافی ممکن نہیں ہو پاتی ۔

چونکہ ہم مجبوروں کے دل ضعیف و ناتواں ہیں اور بید مجنوں اور نرم ہوا کی طرح لرز جاتے ہیں اور حالت سکون سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ امور عادی میں بھی، جن میں سے ایک لباس کا تیار کرنا ہے، قلبی حالات کے لحاظ سے قلب کی حفاظت کریں اور چونکہ شیطان کے پاس بڑے مضبوط جال اور ایسے گہرے سازشی پھندے ہیں، جن کا ہم احاطہ نہیں کر سکتے، لہٰذا مجبوراً اپنی وسعت وطاقت کے مطابق اور مقدور بھر ان کا مقابلہ اور حق تعالیٰ سے ہر حال میں توفیق وتائید کی دعا مانگنا چاہیئے۔

اب ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب یہ واضح ہو چکا کہ باطن ظاہر پر اثر انداز ہوتا ہے اور ظاہر باطن پر تو طالب

---

[1] پائے مالنگ است و منزل بس
دراز دست ما کوتاہ و خرما برنخیل

زخمی ہمارے پاؤں ہیں، منزل بہت دراز کوتاہ ہمارا ہاتھ ہے، خرما نخیل پر (حافظ شیرازی)

[2] یہ اشارہ ایک حدیث کی طرف حدیث یہ ہے:

کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ(الکافی (ط-الإسلامية) / ج2/352/باب من آذى المسلمين واحتقرهم..... ص:350)

حق اور ارتقائے روحانی چاہنے والے انسان کے لی لازم ہے کہ لباس ایسا منتخب نہ کرے جو ایسی چیزوں سے اور ایسے ڈیزائن (مادہ اور ہیئت) پر بنا ہو جو روح پر بڑا اثر ڈالے اور دل کو مستقیم نہ رہنے دے اور حق سے غافل کر دے اور روح کا رخ دنیا کی طرف موڑ دے۔ یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ شیطانی وسوسے اور نفس کی فریب کاری خوبصورت لباس فاخرہ اور ظاہری فیشن اور زینت ہی میں مضمر ہے، بلکہ کبھی پھٹے پرانے اور معمولی بے قیمت لباس میں بھی یہ وسوسے اور فریب کاریاں نمود کرتی ہیں اور انسان کو درجہ اعتبار سے گرا دیتی ہیں۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ لباس شہرت، بلکہ معمول ومتعارف کے خلاف چال ڈھال اختیار کرنے سے بھی پرہیز کرے جس طرح ایسی لباس فاخرہ سے اجتناب کرنا چاہئے جو بہت زیادہ قیمتی ہونے کے ساتھ ہی اس قدر جاذب نظر اور جالب توجہ ہو کہ لوگ انگشت نمائی کرنے لگیں، کیونکہ ہمارا دل بہت کمزور اور سخت بے قرار و بے ثبات ہے، ذرا سے فرق و امتیاز اور تبدیلی وتعین کو دیکھ کر لڑکھڑا جاتا ہے اور راہ اعتدال سے منحرف ہو جاتا ہے۔ اکثر ہوتا ہے کہ کوئی بے چارہ کمزور انسان جو شرف وانسانیت عزت نفس اور کمال آدمیت کے کسی مرحلہ سے نہیں گزرا، دو چار میٹر ریشمی یا اونی لباس پہن کر، جس کا ڈیزائن اور کٹائی سلائی میں غیروں کی نقالی کی گئی ہوتی ہے یا طرح طرح کی ذلتیں اٹھا کے اور آبرو کو داؤں پر لگا کے حاصل کیا گیا ہوتا ہے، بندگان خدا پر حقارت اور تکبر و ناز سے نظر ڈالتا ہے اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ یہ نفس کی کمزوری انتہا اور کم ظرفی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے جو کیڑوں کے فضلے اور بھیڑ کے بالوں کو اپنے شرف و اعتبار کا سرمایہ سمجھ بیٹھا ہے۔

اے مجبور انسان! تو کس قدر کمزور اور بے مایہ مخلوق ہے؟ تجھے تو عالم امکان کے لئے سرمایہ افتخار اور کون ومکان کا خلاصہ ہونا چاہئے تو آدمؑ کا بیٹا ہے، تجھے تو معلم اسماء وصفات ہونا چاہئے تو خلیفہ خدا کا فرزند ہے تجھے تو آیات باہرات میں سے ہونا چاہئے۔

تو راز کنگرۂ عرش می زند صفیر[1] صدائیں عرش سے دیتے ہیں ہم صفیر تجھے

بد بخت، ناخلف! بے چارے حیوانات کے مٹھی بھر فضلات وملبوسات کو چھین کر نازفروشی کر رہا ہے!! یہ ناز ریشم کے کیڑے، بھیڑ بکریوں، اونٹ، سنجاب اور لومڑیوں سے حاصل کیا ہے اور تو دوسروں کے لباس پہن کے نخرے دکھا رہا ہے؟ یہ افتخار و ناز ہے تو دوسروں کا ہے اس میں تیرا کیا ہے؟

---

[1] تراز کنگرۂ عرش می زنند صفیر
ندانمت کہ دراین دام گہ چہ افتاد ست
حافظ شرازی

الغرض، جس طرح لباس کا مادہ اور جنس اور اس قیمتی اور جدید ترین فیشن کے مطابق ہونا نفوس میں تاثیر کرتا ہے جس کی وجہ سے حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے اور قطب راوندیؒ نے روایت کی ہے: (جو شخص اعلیٰ قسم کا لباس پہنے و ضرور تکبر کرے گا اور جو تکبر کریگا اس کے لئے ضرور جہنم ہے، [۱]

اسی طرح لباس کی ہیئت، کٹائی سلائی اور ڈیزائن کے بھی اثرات ہوتے ہیں کہ کبھی صرف اس سبب سے کہ انسان نے اپنا لباس غیروں کے مشابہ کر لیا ہے غیروں کے حق اور ان کی حمایت میں جاہلانہ تعصب و تنگ نظری کا شکار ہو جاتا ہے اور دوستان خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متنفر دشمن ہی اس کے محبوب ہوتے ہیں اسی وجہ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایت کے مطابق خدائے تعالیٰ نے اپنے کسی نبی پر وحی نازل کی (مومنین سے کہو کہ میرے دشمنوں کا سا لباس نہ پہنیں، میرے دشمنوں کی طرح نہ کھائیں اور میرے دشمنوں کی طرح نہ چلیں، تاکہ انکی طرح بھی رفتہ رفتہ میرے دشمن نہ بن جائیں۔ [۲]

جس طرح بہت زیادہ فاخرہ لباس نفوس میں تاثیر کرتے ہیں اسی طرح بہت حقیر و پست لباس بھی چاہے وہ جنس اور مادہ کے اعتبار سے پست ہوں یا ہیئت و شکل کے لحاظ سے اثر انداز ہوتے ہیں، بلکہ اکثر اس قسم کے لباس، لباس فاخرہ سے بھی زیادہ مضر ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ نفس کے پھندے بہت باریک ہوتے ہیں۔ جیسے ہی انسان نے خود کو موٹا اور کھڈر کا لباس پہنے اور دوسروں کو نرم اور لطیف لباس پہنے دیکھا، ویسے ہی اپنے امتیاز اور انفرادیت کا احساس پید اہوگیا۔ حب ذات کی وجہ سے اپنے عیوب سے غافل ہوگیا اور ایسے لباس ہی کو جو ذاتی نہیں عارضی ہے اپنے لئے سرمایہ افتخار سمجھ بیٹھا۔ وہ اکثر خود پسندی کا بھی شکار ہو جاتا ہے۔ بندگان خدا کے مقابلہ میں متکبر بھی ہو جاتا ہے، اپنے کو مقربین بارگاہ الٰہی اور خدا کے خالص بندوں میں شمار کرنے اور دوسروں کو اس کے ساحت قدس سے دور سمجھنے لگتا ہے اور اکثر ریا و خودنمائی اور دیگر مفاسد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بے چارہ معرفت و تقویٰ اور کمالات نفسانی میں سے بس موٹے اور پھٹے پرانے لباس پر قناعت کئے ہوئے ہے اور اپنے ہزاروں عیوب سے غافل ہے جن میں سب سے بڑا عیب یہی ہے جو اس لباس کی بری تاثیر سے پیدا ہوا ہے اور ہے تو اولیائے شیطان میں مگر خود کو اہل اللہ میں سمجھ بیٹھا ہے اور بندگان خدا کو حقیر و بے قیمت خیال کر رہا ہے۔ اسی طرح لباس کی ہیئت اور طرز اکثر انسان کو مفسدہ میں ڈال دیتی ہے۔ چنانچہ وہ اس طرح لباس اختیار کرتا ہے جس سے زاہد و مقدس سمجھا جائے۔

---

[۱] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ، ابواب احکام الملابس، باب ۱۶، حدیث ۵، بحوالہ لب اللباب: قطب راوندیؒ
[۲] الجواہر السنیہ، باب ابی عبداللہ جعفر بن محمد الصادقؑ، حدیث ۶۰

الغرض،لباس شہرت میں افراط برتی جائے یا تفریط، وہ ایسے امور میں ہے جو کمزور دلوں کو متزلزل اور مکارم اخلاق سے عریاں کر دیتا ہے اورخود پسندی، ریا کاری اور کبر ونخوت کا سبب بن جاتا ہے جن میں ہر ایک نفس کے بنیادی نقائص اورامہات رذائل میں ہے، بلکہ دنیا کی طرف میلان اوردل بستگی کا سبب ہے جو تمام خطاؤں کی اصل اورتمام برائیوں کا سرچشمہ ہے۔

احادیث میں بھی بہت سے مذکورہ امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔چنانچہ کافی شریف میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے،آپؑ نے فرمایا:

خدائے تعالیٰ شہرت لباس سے غضبناک ہوتا ہے،[۱]

آپؑ ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ فرمایا:

شہرت اچھی ہو یا بری،جہنم میں ہے،[۲]

حضرتؑ سے یہ بھی منقول ہے کہ:

خداوند عالم دوقسم کی شہرت سے غضبناک ہوتا ہے:ایک لباس کی شہرت سے، دوسرے نماز کی شہرت سے۔[۳]

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے،آپؐ نے فرمایا:

جو شخص دنیا میں لباس شہرت پہنے گا خدا اس کو آخرت میں لباس ذلت پہنائے گا۔[۴]

---

[۱] وسائل الشیعہ ، ج،ص ۳۰۴، کتاب الصلاۃ، ابواب احکام الملابس، باب ۱۲، حدیث ۱

[۲] وسائل الشیعہ ، ج،ص ۳۰۴، کتاب الصلاۃ، ابواب احکام الملابس، باب ۱۲، حدیث ۳

[۳] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ،ابواب احکام الملابس، باب ۸، حدیث ۲

[۴] مستدرک الوسائل، کتاب الصلاۃ،ابواب احکام الملابس، باب ۸، حدیث ۱

مقام دوم

لباس مصلّی کے کچھ آداب

عَنْ اَبِیْ حَمْزَۃَ رحمۃ اللہ علیہ عَنْ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَیْهِمَا: اِنَّ الْمُنَافِقَ یَنْهٰی وَ لَایَنْتَهِیْ وَ یَأْمُرُ بِمَا لَایَأْتِیْ وَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلَاۃِ اعْتَرَضَ۔ قُلْتُ یَاابْنَ رَسُوْلِ اللهِ وَ مَا الْاِعْتِرَاضُ؟ قَالَ: اَلْاِلْتِفَاتُ وَ اِذَا رَکَعَ رَبَضَ یُمْسِیْ وَ هَمُّهُ الْعَشَآءُ وَ هُوَ مُفْطِرٌ وَّ یُصْبِحُ وَ هَمُّهُ النَّوْمُ وَ لَمْ یَسْهَرْ اِنْ حَدَّثَكَ كَذَبَكَ وَ اِنِ ائْتَمَنْتَهُ خَانَكَ وَ اِنْ غِبْتَ اغْتَابَكَ وَ اِنْ وَّعَدَكَ اَخْلَفَكَ۔ [1]

جناب ابوحمزہؒ ثمالیؒ سے مروی ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: بیشک منافق دوسروں کوتو روکتا ہے لیکن خود وہ برے کاموں سے باز نہیں آتا، وہ نیکی کا حکم دیتا ہے لیکن خود انجام نہیں دیتا اور جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو ''اعتراض'' کرتا ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا: اے فرزند رسول خداؐ! ''اعتراض'' کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہوتا ہے (دیکھتا ہے) جب رکوع میں جاتا ہے تو جانور کی طرح گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہے (رکوع کے بعد قیام نہیں کرتا ہے) وہ اس حالت میں رات کرتا ہے کہ اسے صرف کھانے کی فکر ہوتی ہے جب کہ وہ روزہ سے نہیں ہوتا، وہ اس حالت میں صبح کرتا ہے کہ اسے سونے کی فکر ہوتی ہے جب کہ وہ رات میں بیدار نہیں رہتا ہے۔ اگر تم سے بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا، اگر تم اسے امین سمجھو گے تو وہ تمہارے ساتھ خیانت کرے گا، جب تم موجود نہ ہو گے تو تمہاری غیبت و برائی کرے گا اور جب تم سے وعدہ کرے گا تو اسے پورا نہیں کرے گا۔

[1] اصول کافی: ۴/ ۱۱۲

باب اول

طہارت لباس کا رمز

محضر مقدس میں باریابی کے موانع

معلوم رہے کہ نماز محضر انس میں حاضری اور مقام قرب کی طرف عروج کا ذریعہ ہے اور سالک کے لئے ملک الملوک کے محضر مقدس میں حاضر ہونے کے آداب کا لحاظ ضروری ہے اور چونکہ ظہور نفس کے ادنیٰ مراتب ومراحل سے لے کر، جو قشر قشر اور نفس کا بدن ملکی صوری ہے،اس کے اعلیٰ حقائق ومقامات تک جولب لباب اور مقام سر قلب ہے سب جس طرح حق کے محضر مقدس میں حاضر ہیں،سالک کو بھی حاضر ہونا چاہئے اور ممالک سر وعلن کے تمام ظاہری و باطنی لشکروں کا محضر حق جل جلالہ میں مظاہرہ کرنا چاہئے اوران تمام امانتوں کو جو اس کی ذات مقدس نے کمال طہارت و صفا کے ساتھ اور موجودات میں سے کسی کے تصرف کے بغیر اپنے جلال و جمال کے دست قدرت سے اس کو مرحمت فرمائی ہیں، اس کے حضور میں پیش کرنا چاہئے اور امانتیں جس طرح عطا ہوئی تھیں ویسی ہی واپس کرنا چاہئے۔

پس ادب حضور میں بہت خطرات ہیں کہ ایک لحظہ کے لئے بھی سالک کو ان سے غفلت نہیں کرنا چاہئے اور طہارت لباس کو جو ساتر قشر، بلکہ ساتر قشر قشر ہے،لباس باطنی کی طہارت کا وسیلہ بنانا چاہئے اور یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جس طرح یہ لباس صوری ساتر ہے اور بدن ملکی کا لباس ہے خود بدن، بدن برزخی کا ساتر ہے اور بدن برزخی اسی وقت موجود ہے۔ اگر چہ بدن دنیائی کے حجاب وستر میں ہے اور یہ بدن اس کو پوشیدہ کئے ہوئے ہے اور قلب ساتر روح ہے اور روح ساتر سر ہے اور سر ساتر لطیفہ خفیہ ہے اور اسی طرح دوسرے مراتب ہیں۔ ہر پست مرتبہ بلند مرتبہ کا ساتر ہے اور یہ سارے مراتب اگر چہ اللہ کے اولیائے خالص میں موجود ہیں اور دوسرے ان سے محروم ہیں،لیکن ان میں سے چونکہ بعض مراتب سب ہی رکھتے ہیں، لہٰذا انہیں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

معلوم رہنا چاہئے کہ جس طرح نماز کی صورت طہارت بدن ولباس سے وجود میں نہیں آتی اور آلودگی، جو شیطانی نجاست اور محضر رحمان سے دور کر دینے والی ہے،محضر مقدس میں باریابی کے موانع میں سے ہے اور نماز گزار کو نجاست شیطانی سے آلودہ لباس و بدن کے ساتھ محضر قدس سے دور رکھتی ہے اور مقام انس میں باریاب نہیں ہونے دیتی۔اسی طرح معاصی اور نافرمانی کی گندگیاں بھی جو شیطانی تصرفات ونجاسات ہیں،محضر مقدس میں باریابی کے موانع

میں سے ہیں۔پس جو شخص گناہوں سے آلودہ ہے اس نے سارے بدن برزخی کو نجس کر دیا ہے اوران نجاستوں کے ساتھ محضر حق میں وارد نہیں ہوسکتا اور اس لباس کی تطہیر نماز باطنی کی صحت اور اس کے تحقق کی ایک شرط ہے اور انسان جب تک حجاب دنیا میں ہے اس غیبی بدن، اس کے لباس کی طہارت ونجاست، طہارت کی شرائط اورنجاسات کے مانع ہونے کونہیں سمجھ سکتا۔جس روز اس حجاب سے نکلے گا اورسلطنت باطن اور یوم الجمع تفرقہ ظاہر کی بساط کو الٹ دے گا اورحقیقت کا سورج دنیا کے تاریک حجابوں کے پیچھے سے نمودار ہوگا، باطنی ملکوتی آنکھ کھلے گی اورحیوانی ملکی آنکھ بند ہوگی،تب چشم بصیرت دریافت کر لے گی کہ آخر تک نہ طہارت کی تھی نہ نماز پڑھی تھی اور ہزار باموانع میں مبتلا رہا،جن میں ہرایک محضر مقدس حق سے دور کرنے کا ایک مستقل سبب تھا اور ہزار افسوس کہ اس روز تلافی کی کوئی راہ اورگلو خلاصی کی کوئی تدبیر انسان کے لئے نہیں ہے۔ جو چیز رہ جائے گی وہ صرف حسرت وندامت ہوگی۔ وہ حسرت وندامت جو کہیں ختم ہونے والی نہیں۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ..[1]

اور (اے رسولؐ) انہیں حسرت و ندامت کے دن سے ڈرائیں جبکہ ہر بات کا (آخری) فیصلہ کر دیا جائے گا۔

جب بدن باطنی کے لباس کی تطہیر ہو چکی تو رجز شیطانی سے بدن ملکوتی کی طہارت بھی لازم ہے۔ بدن ملکوتی کی تطہیر کا مطلب اخلاق ذمیمہ کی نجاستوں کو دور کرنا ہے۔جن میں سے ہرایک باطن کو آلودہ کر دیتی ہے اورانسان کو محضر سے دور اور بساط قرب حق سے مہجور کرنے والی ہے اور یہ سب رجس شیطانی ہیں جو خود تو رحمت سے دور رہے ہیں،دوسروں کو بھی دور کرنے کی کوشش سے باز نہیں آتا۔تمام برائیوں کی اصلی شروعات خود بینی وخودخواہی،خودفروشی و خودنمائی اورخودرائی سے ہوتی ہے اوران میں سے ہرایک بے شمار اخلاقی برائیوں اورکثیر خطاؤں کی بنیاد ہے۔

اور جب سالک بدن ملکوتی کو تطہیر کر چکا اور لباس تقویٰ کو نصیحت حاصل والے گنہگار کی توبہ اورشرعی ریاضتوں سے پاک کر چکا تو اب ضروری ہے کہ قلب کی تطہیر میں مشغول ہوجائے جو حقیقی ساتر ہے اورشیطان کا تصرف سب سے زیادہ قلب ہی پر ہوتا ہے اوراس کی آلودگیاں تمام لباسوں اور ساتروں میں سرایت کر جاتی ہیں۔

اور جب تک کہ تطہیر نہ کی جائے دوسری طہارتیں میسر نہیں آسکتیں۔قلب کی تطہیر کے کچھ مراتب ہیں جن میں سے ان اوراق کی مناسبت سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔۔

---

[1] سورۂ مریم:۳۹

ایک مرتبہ،محبت دنیا سے قلب کی تطہیر ہے جو تمام خطاؤں کی بنیاد اور تمام مفاسد کا سرچشمہ ہے اور جب تک انسان کے دل میں یہ محبت باقی ہے اس وقت تک محضر حق تک رسائی ممکن نہیں ہے اور محبت الٰہی، جو ام الطہارات (تمام طہارتوں کی ماں) ہے، محبت دنیا کی آلودگی کے ہوتے ہوئے وجود میں نہیں آتی اور شاید کتاب خدا، انبیاء و اولیاء علیہم السلام کی وصیتوں، خصوصاً امیر المومنینؑ کی وصیت میں ترک دنیا اور زہد کی بہ نسبت جو تقویٰ کے حقائق میں سے ہے کسی اور چیز کی طرف کم ہی اشارہ کیا گیا ہے اور تطہیر کا یہ مرتبہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک نفع بخش علم نہ حاصل کیا جائے، سخت قلبی ریاضتیں نہ کی جائیں، مبدا و معاد کے بارے میں گہرائی سے غور و فکر نہ کیا جائے اور قلب کو دنیا کی خرابی اور تباہی اور غیبی جہانوں کی سعادتوں اور کرامتوں میں مشغول نہ کرلیا جائے۔

رحم اللّٰہ امرء أعدلنفسه و استعدلرمسه و علم من أين و فی أين و إلی أين؟ [1]

خدا رحمت کرے اس شخص پر جو جان لے کہ وہ کہاں سے آیا ہے، کہاں ہے اور کہاں جائے گا۔

قلب کی تطہیر کا ایک اور مرتبہ مخلوق پر اعتماد سے تطہیر ہے جو شرک خفی، بلکہ اہل معرفت کے نزدیک شرک جلی ہے۔ یہ تطہیر توحید فعلی حق تعالیٰ سے حاصل ہوتی ہے جو تمام طہارتوں کا سرچشمہ ہے۔ معلوم رہنا چاہئے کہ توحید فعلی کے بارے میں محض علم برہانی اور قدام فکری سے نتیجہ مطلوبہ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ کبھی کبھی علوم برہانیہ میں زیادہ اشتغال قلب کی ظلمت و کدورت کا سبب ہو جاتا ہے اور انسان کو مقصد اعلیٰ سے روکے رکھتا ہے۔ اس مقام پر کہا گیا ہے:

اَلْعِلْمُ هُوَ الْحِجابُ الْأَکْبَر. [2]

مؤلف کے عقیدہ میں تمام علوم عملی ہیں، یہاں تک کہ علم توحید بھی۔ شاید لفظ توحید سے جو باب تفعیل سے ہے، توحید کے عملی ہونے کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے، کیونکہ اشتقاق کی مناسبت سے توحید کا مطلب کثرت سے وحدت کی طرف جانا اور جہات کثرت کو عین جمع میں مستہلک اور مضمحل کر دینا ہے اور یہ معنی برہان سے حاصل نہیں ہوتے، بلکہ قلبی ریاضتوں اور مالک القلوب کی طرف بھرپور توجہ کے ذریعہ برہان سے حاصل شدہ نتیجہ سے قلب کو آگاہ کرنا چاہئے تاکہ حقیقت توحید حاصل ہو جائے۔ ہاں! برہان ہم سے کہتا ہے:

---

[1] الوافی/ ج1 / 116 / بیان..... ص:115، مفاتیح الغیب، ملاصدر، تصحیح خواجوی، ص ۵۰

[2] تفسیر سورہ حمد (مولفہ امام خمینیؒ) جلسہ سوم..... ص:129

لا مُؤَثِّرَ فِی الْوُجُوْدِ اِلَّا اللّٰه. [۱]

خدا کے سوا وجود میں کوئی موثر نہیں۔

اور یہ (لا الٰہ الا اللہ) کے ایک معنی ہیں اور اس برہان کی برکت سے ہم موجودات کے دست تصرف کو کبریائی وجود کے میدان سے دور رکھتے ہیں اور عوالم کے ملک اور ملکوت کو اس کے مالک کی طرف پلٹاتے ہیں اور ''لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ'' [۲] (جو کچھ زمین و آسمان میں ہے اسی کا ہے) اور ''بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ'' [۳] (ہر چیز پر آسمانی قدرت اللہ کے ہاتھ میں ہے) اور ''وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ'' [۴] (وہی ہے جو آسمان میں خدا ہے اور زمین میں خدا ہے) کی حقیقت کا اظہار کرتے ہیں، لیکن جب تک یہ مطلب قلب میں نہ پہنچ جائے اور قلب کی صورت باطنی نہ بن جائے، ہم علم کی حد سے بڑھ کر ایمان کی حد تک نہیں پہنچ سکتے اور نور ایمان سے جو مملکت ظاہر و باطن کو نورانی کر دیتا ہے، سے کوئی فیض نہیں پا سکتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم اس بلند و بالا مفہوم پر برہان رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود پھر بھی تکثیر میں پڑے ہیں اور توحید سے بے خبر ہیں جو اہل اللہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے (لاموثر فی الوجود الا اللہ) کا ڈھنڈورہ تو پیٹتے ہیں، لیکن چشم طمع ہر ایک سے رکھتے ہیں اور دست طلب ہر کس و ناکس کے سامنے دراز کئے رہتے ہیں۔

پائے استدلالیاں چوبین بود
پائے چوبین سخت بے تمکین بو [۵]

یہ برہان کے پاؤں لکڑی کے ہیں
چلیں گے کہاں تک یہ لکڑی کے پاؤں

یہ تطہیر سالکین کے عظیم مقامات میں سے ہے۔ اس مقام کے بعد اور مقامات ہیں جو ہمارے موضوع کے حد سے باہر ہیں۔ پھر بھی ہو سکتا ہے کہ ان اوراق میں کسی مناسب موقع پر ان کا ذکر آئے۔

انشاء اللہ

---

[۱] منسوب بہ حکمائے الٰہی جب کہ میرزا ابوالحسن شعرانی نے مقدمہ، اسرار الحکم، ص ۳۲، حکماء سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔

[۲] سورۂ نحل/ ۵۲

[۳] سورہ یٰسین: ۸۳

[۴] سورۂ زخرف: ۸۴

[۵] مولانا رومی ؒ کا شعر ہے۔

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ علیہ السلام قَالَ:
قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: خِيَارُ اُمَّتِیَ الَّذِيْنَ اِذَا سَافَرُوا قَصَّرُوا وَ اَفْطَرُوا وَ اِذَا اَحْسَنُوا اسْتَبْشَرُوْا وَاِذَآ اَسَآؤُوا اسْتَغْفَرُوْا۔ [1]

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

میری امت کے نیک افراد وہ لوگ ہیں:

جوسفر میں نماز کو قصر پڑھتے ہیں اور روزہ کو قصر کرتے ہیں۔

جب وہ نیکی کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں

اور جب برائی کرتے ہیں تو استغفار کرتے ہیں۔

---

[1] الکافی: ۴/۲۱/۷؛ جامع الاحادیث: ص ۲۱۵

باب دوم

ستر عورتین کے قلبی اعتبارات

اور اللہ کے ساتھ خلوت

جب سالک الی اللہ خود کو محضر مقدس حق میں حاضر دیکھے، بلکہ اپنے ظاہر و باطن اور سر و علن کو عین حضور پائے، جیسا کہ کافی و توحید میں روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّ رُوحَ الْمُؤْمِنِ لَأَشَدُّ اتِّصَالًا بِرُوحِ اللّٰهِ مِنِ اتِّصَالِ شُعَاعِ الشَّمْسِ بِهَا.[1]

مومن کی روح کا تعلق اللہ کی روح سے دھوپ کے آفتاب سے تعلق سے بھی زیادہ استوار ہے۔

بلکہ قوی و محکم برہان سے علوم عالیہ میں ثابت ہے کہ وجود کا پورا دائرہ اعلیٰ مراتب غیب سے ادنیٰ منازل شہود تک قیوم مطلق سے عین تعلق و ربط اور محض تدلی و فقر ہے۔ شاید آیۂ مبارکہ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ.[2]

لوگو! تم خدا کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز اور محمود ہے

اسی مطلب کی طرف اشارہ کر رہا ہے، کیونکہ اگر کوئی موجود کسی حال میں اور کسی لحہ اور کسی حیثیت سے عزت قدس ربوبیت سے تعلق نہ رکھتا ہوگا تو دائرۂ امکان و فقر ذاتی سے خارج اور حریم غنا و وجوب ذاتی میں داخل ہو جائے گا اور عارف باللہ اور سالک الی اللہ کو چاہیئے کہ برہان سے ثابت شدہ اس مطلب حق کو اور اس الٰہی عرفانی لطیف بات کو قلبی ریاضتوں کے ذریعہ عقل و برہان کی حد سے آگے بڑھا کر لوح قلب پر لکھ لے اور سرحد عرفان تک پہنچائے تا کہ حقیقت ایمان اور نور ایمان اس کے دل میں جلوہ ریز ہو اور اصحاب قلوب اور اہل اللہ ایمان کی حد سے بڑھ کر کشف و شہود کی منزل تک پہنچ جاتے ہیں اور یہ منزل شدت مجاہدہ اور اللہ کے ساتھ خلوت اور اللہ سے عشق کے بغیر نہیں ملتی۔ چنانچہ

---

[1] اصول کافی، جلد ۳، ص ۲۴۲، کتاب الایمان و الکفر، باب اخوۃ المومنین بعضھم لبعض، حدیث ۴

[2] سورۂ فاطر، آیت ۱۵

مصباح الشریعہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے، آپؑ نے فرمایا:

الْعَارِفُ شَخْصُهُ مَعَ الْخَلْقِ وَ قَلْبُهُ مَعَ اللّٰهِ لَوْ سَهَا قَلْبُهُ عَنِ اللّٰهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ لَمَاتَ شَوْقاً إِلَيْهِ وَ الْعَارِفُ أَمِينُ وَدَائِعِ اللّٰهِ وَ كَنْزُ أَسْرَارِهِ وَ مَعْدِنُ أَنْوَارِهِ وَ دَلِيلُ رَحْمَتِهِ عَلَى خَلْقِهِ وَ مَطِيَّةُ عُلُومِهِ وَ مِيزَانُ فَضْلِهِ وَ عَدْلِهِ قَدْ غَنِيَ عَنِ الْخَلْقِ وَ الْمُرَادِ وَ الدُّنْيَا وَ لَا مُونِسَ لَهُ سِوَى اللّٰهِ وَ لَا نُطْقَ وَ لَا إِشَارَةَ وَ لَا نَفَسَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَ لِلّٰهِ وَ مِنَ اللّٰهِ وَ مَعَ اللّٰه.[1]

عارف کا جسم خلق کے ساتھ اور دل خدا کے ساتھ ہے۔ اگر چشم زدن کے لئے بھی اس کا دل خدا سے غافل ہو جائے تو خدا کی طرف شوق کی شدت سے مر جائے۔ عارف امانات الٰہیہ کا امین ہے، اسرار خدا ک اخزینہ، اس کے نور کے کان، خلق کے لئے اس کی رحمت کی طرف راہنما، اس کے علوم کا حامل اور اس کے فضل و عدل کی میزان ہے۔ عارف خلق سے، دنیاوی مقاصد اور دنیا سے بے نیاز رہتا ہے اور خدا کے سوا اس کا کوئی مونس نہیں۔ نہیں بولتا اور نہیں اشارہ کرتا اور نہیں سانس لیتا مگر خدا کے بارے میں، خدا کے لئے، خدا سے اور خدا کے ساتھ۔

الغرض، سالک جب خود کو عین حضور کے تمام احوال میں دیکھتا ہے تو حفظ محضر اور ادب حضور کی حفاظت کے لئے تمام ظاہری اور باطنی شرم گاہوں کو پوشیدہ کرے، اور جب معلوم ہو گیا کہ محضر حق میں ظاہری شرمگاہوں کو ظاہر کرنے سے زیادہ قبیح باطنی شرمگاہوں کو ظاہر کرنا ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَ أَعْمَالِكُمْ وَ إِنَّمَا يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ.[2]

یقیناً اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اعمال کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں (یعنی نیت) کو دیکھتا ہے۔

اور باطنی شرمگاہیں برے اخلاق، خراب عادات اور پست اخلاقی احوال ہیں جو انسان کو محضر قدس کے لائق نہیں رہنے دیتیں اور ادب حضور سے ساقط کر دیتی ہیں اور یہ بے پردگی اور عریانی کا پہلا مرتبہ۔

معلوم رہنا چاہئے کہ اگر ستاریت وغفاریت خدا اپنے بندہ کی پردہ داری نہ کرے اور بندہ غفاریت وستاریت

[1] ، مصباح الشریعہ، اباب الخامس والتسعون، فی المعرفۃ

[2] بحار الانوار (ط - بیروت) / ج 67 / 248 / باب 54 الإخلاص ومعنی قربہ تعالی..... ص: 213

کی طلب کر کے اسم (ستار) و (غفار) کے تحت نہ آئے تو اکثر ایسا ہو کہ جیسے ہی حجاب ملک ہٹے اور پردۂ دنیا چاک ہو تو ملائکہ مقربین اور انبیائے مرسلین علیہم السلام کی موجودگی ہی میں اس کے عیوب کی پردہ دری ہو جائے، لیکن خدا جانتا ہے کہ اگر وہ باطنی شرمگاہیں ظاہر ہو جائیں تو کسی قیامت وفضیحت اور گندگی و رسوائی اس کے بندہ کی سامنے آ جائے۔

اے عزیز! عالم آخرت کی طرز و ساخت کا قیام اس عالم پر نہ کرو، کیونکہ اس عالم میں تو اس عالم کی نعمتوں میں سے نہ کوئی نعمت ظاہر ہے نہ زحمت۔ یہ عالم اپنے آسانوں اور دوسری اور دوسری تمام وسعتوں کے باوجود ملکوت سفلی، جن میں ایک عالم قبر بھی ہے کے پردوں میں سے ایک پردہ کے ظہور کی بھی گنجائش نہیں رکھتا چہ جائیکہ ملکوت اعلیٰ یہاں ظاہر ہو سکیں، جن کا ایک نمونہ عالم قیامت ہے۔ ایک تفصلی حدیث میں، جو جناب شہید ثانی علیہ الرحمہ نے منیۃ المرید میں حضرت صدیقہ کبریٰ سلام اللہ علیہا سے نقل کی ہے، وارد ہے کہ فرمایا:

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ہمارے شیعہ علماء اس طرح محشور ہوں گے کہ اپنے علوم کی کثرت اور بندگان خدا کی راہنمائی میں محنت وکوشش کے مطابق عزت وکرامت کے خلعت پہنے ہوں گے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض کو نور کے ہزار ہزار (دس لاکھ) خلعت دیئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ حضورؐ فرماتے ہیں: (ایک تار ان خلعتوں کا ہزار ہزار گنا بہتر ہے ان تمام موجودات سے جن پر سورج طلوع کرتا ہے) [1]

یہ تو ہے قیامت کی نعمتوں کا ذکر، لیکن قیامت کے عذاب کے بارے میں جاب ملا محسن فیض کاشانی رحمۃ اللہ علیہ کتاب (علم الیقین میں مرحوم صدوقؒ سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے اسناد سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ایک حدیث کے ضمن میں کہ

جبرائیل نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: (اگر ایک حلقہ اس زنجیر کا جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے، دنیا پر رکھ دیا جائے تو اس کی گرمی کی تاب نہ لا کر یہ دنیا پگھل جائے اور اگر اس کے زقوم وضریع کا ایک قطرہ دنیا کے پانیوں میں گر جائے تو تمام اہل دنیا اس کی بد بو سے مر جائیں) [2]۔ نعوذ باللہ من غضب الرحمٰن۔

---

[1] منیۃ المرید، ۲۴

[2] علم الیقین، ج ۲ ص ۱۰۳۳

لہٰذا سالک الی اللہ کے لئے لازم ہے کہ اپنے اخلاق ذمیمہ اورعادات قبیحہ کو اخلاق حسنہ اورعادات پسندیدہ میں تبدیل کردے اوراوصاف کمالیہ حق کے دریائے بے کراں میں فانی ہوجائے اورشیطانی طبیعت کی تاریک زمین کو نورانی اورتابناک زمین بنادے۔ "وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا"۔[1] (اورزمین اپنے پروردگار کے نور سے روشن ہوگئی) کی معنویت کا اپنے اندر ادراک کرے اور ذات مقدس کے اسمائے جلال اور جمال کا مقام اپنے وجود کی مملکت میں پیدا کرے اوراس مقام پر پہنچ کر جمال وجلال کے حجاب میں چلا جائے گا اوراخلاق الٰہی سے خودکو آراستہ کرلے گا اورتعینات نفسیہ کی قباحتیں اوروہم کی تاریکیاں یکسر پوشیدہ ہوجائیں گی۔اگراس مقام تک پہنچ گیا تو حق تعالیٰ کی عنایات خاصہ کا مستحق قرار پائے گا اور خدا اپنے خاص لطف خفی سے اس کی دستگیری فرمائے گا اوراپنی کبریائی کے پردہ کے نیچے اس کو اس طرح مستور کرلے گا کہ خود اس کے علاوہ اسے کوئی دوسرانہیں پہنچان سکے گا اوراس کوبھی حق تعالیٰ کے علاوہ کوئی اورنہ پہچان سکے گا۔

اِنَّ اَوْلِيَائِیْ تَحْتَ قِبَابِیْ لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِیْ.[2]

میرے دوست میرے قبوں کے نیچے ہیں۔میرے سوا کوئی ان کونہیں پہچانتا۔

اورخدا کی مقدس کتاب نے اہلیت وصلاحیت رکھنے والوں کے لئے اس سلسلہ میں بہت اشارے کئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ [3]

خدا ان لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے ہیں، اوروہ اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے۔

اہل معرفت اوراصحاب سابقہ حسنیٰ جانتے ہیں کہ تمام خلقی تعینات اوراعیانی کثرتیں ظلمت ہیں اورنور مطلق تب ہی حاصل ہوتا ہے جب تمام اضافات کو ساقط کردیا جائے اوران تعینات کوتوڑ دیا جائے جوسالک کی راہ کے بت ہیں۔ جب کثرات وصفی وفعلی کی ظلمتیں مضمحل اورکمزور ہوجائیں گی اورعین جمع میں غرق ہوجائیں گی تو تمام شرمگاہوں کا ستر ہو جائے گا اورحضور مطلق اور وصول تام عالم وجود میں آجائے گا اورنماز گزار اس مقام میں چونکہ حق کی پردہ پوشی میں ہے۔ لہٰذا اسکی نماز، نماز حق ہے اورشاید حضرت ختمی المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز معراج بعض مقامات و مدارج میں اسی طریقہ سے اد

---

[1] سورۂ زمر، آیت ۶۹

[2] احیاء علوم الدین، ج ۴، ص ۲۵۶، حدیث قدوسی ہے اوراس کے نقل کرنے میں (قبابی) دونوں وارد ہوئے ہیں

[3] سورہ بقرہ، آیت ۲۵۷

اہوتی تھی۔ واللہ العالم

وصل:

عَنْ مِصْباحِ الشَّريعَةِ، قالَ الصّادِقُ، عَلَيْهِ السَّلامُ: ازْيَنُ اللِّباسِ لِلْمُؤمِنينَ لِباسُ التَّقْوى وَ انْعَمُهُ الإيمانُ؛ قالَ اللّه، عَزَّ و جَلَّ: «وَلِباسُ التَّقْوى ذلِكَ خَيْرٌ.»

وَ امَّا اللِّباسُ الظّاهِرُ فَنِعْمَةٌ مِنَ اللّه يَسْتُرُ عَوْراتِ بَنى آدَمَ؛ وَ هِىَ كَرامَةٌ اكْرَمَ اللّهُ بِها عِبادَهُ ذُرِّيَةَ آدَمَ عليه السلام ما لَمْ يُكْرِمْ غَيْرَهُمْ؛

وَ هِىَ لِلْمُؤمِنينَ آلَةٌ لِأَداءِ ما افْتَرَضَ اللّه عَلَيْهِمْ. وَ خَيْرُ لِباسِكَ ما لا يَشْغَلُكَ عَنِ اللّه عزَّ وَ جَلَّ، بَلْ يُقَرِّبُكَ مِنْ شُكْرِهِ وَ ذِكْرِهِ وَ طاعَتِهِ وَ لا يُحْمِلُكَ فيها الَى الْعُجْبِ وَ الرِّئاءِ وَ التَّزَيُّنِ وَ الْمُفاخَرَةِ وَ الْخُيَلاءِ،

فَانَّها مِنْ آفاتِ الدّينِ وَ مُورِثَةُ الْقَسْوَةِ فِي الْقَلْبِ. فَإِذا لَبِسْتَ ثَوبَكَ فَاذْكُرْ سَتْرَ اللّه تَعالى عَلَيْكَ ذُنُوبَكَ بِرَحْمَتِهِ،

وَ الْبِسْ باطِنَكَ بِالصِّدْقِ كَما أَلْبَسْتَ ظاهِرَكَ بِثَوْبِكَ؛ وَ لْيَكُنْ باطِنُكَ فى سَتْرِ الرَّهْبَةِ وَ ظاهِرُكَ فى سَتْرِ الطّاعَةِ.

وَ اعْتَبِرْ بِفَضْلِ اللّه عَزَّ وَ جَلَّ حَيْثُ خَلَقَ اسبابَ اللِّباسِ لِتَسْتُرَ الْعَوْراتِ الظّاهِرَةَ وَ فَتَحَ ابْوابَ التَوْبَةِ وَ الْإِنابَةِ لِتَسْتُرَ بِها عَوْراتِ الْباطِنِ مِنَ الذُّنُوبِ وَ اخْلاقِ السُّوءِ وَ لا تَفْضَحْ احَداً حَيْثُ سَتَرَ اللّه عَلَيْكَ اعْظَمَ مِنْهُ.

وَ اشْتَغِلْ بِعَيْبِ نَفْسِكَ وَ اصْفَحْ عَمّا لا يعنيكَ حالُهُ وَ امْرُهُ.

وَ احْذَرْ انْ تَفْنى عُمْرَكَ لِعَمَلِ غَيرِكَ وَ يَتَّجِرَ بِرَأْسِ مالِكَ غَيْرُكَ وَ تَهْلِكَ نَفْسُكَ؛ فَانَّ نِسْيانَ الذُّنُوبِ مِنْ اعْظَمِ عُقُوبَةِ اللّه تَعالى فِي العاجِلِ وَ اوْفَرِ اسْبابِ الْعُقُوبَةِ فِي الْآجِلِ.

وَ ما دامَ الْعَبْدُ مُشْتَغِلًا بِطاعَةِ اللّه تَعالى وَ مَعْرِفَةِ عُيُوبِ نَفْسِهِ وَ تَرْكِ ما

يَشينُ في دينِ اللّٰهِ فَهُوَ بِمَعْزِلٍ عَنِ الْآفاتِ، خائِضٍ في بَحْرِ رَحْمَةِ اللّٰهِ-عَزَّ وَ جَلَّ-يَفُوزُ بِجَواهِرِ الْفَوائِدِ مِنَ الْحِكْمَةِ وَ الْبَيانِ، وَ ما دامَ ناسِياً لِذُنُوبِهِ جاهِلًا لِعُيُوبِهِ راجِعاً الى حَوْلِهِ وَ قُوَّتِهِ لا يُفْلِحُ اذاً ابَداً.[۱]

اگر چہ بیانات سابقہ کی طرف رجوع کرنے سے حدیث شریف کے مقاصد پر ایک حدتک روشنی بڑ جاتی ہے، مگر ترجمہ جیسے انداز میں اس کے بعض اشارہ کی طرف توجہ دلانا صفائے قلب کا سبب ہوگا۔

فرماتے ہیں:

مومنین کے لئے سب سے زیادہ آراستہ لباس تقویٰ کا لباس ہے اور سب سے زیادہ نرم لباس ان کے لئے ایمان کا لباس ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

لباس تقویٰ بہترین لباس ہے[۲]

رہا لباس ظاہر، تو وہ اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جو بنی آدم کی شرمگاہوں کا پردہ ہے اور یہ عزت و کرامت بنی آدم کے لئے مخصوص ہے اور دوسرے موجودات کو عطا نہیں فرمائی گئی، لیکن مومنین اس نعمت کو بھی واجبات الٰہیہ کے ادا کرنے میں صرف کرتے ہیں اور تمہارا سب سے عمدہ لباس وہ ہے جو تمہیں یاد خدا سے غافل نہ کرے اور غیر خدا میں مشغول نہ کرے، بلکہ اس کے شکر و ذکر اور اطاعت سے قریب کردے۔ لہٰذا لباس کے اصل مادہ (میٹیریل) اور ہیئت (ڈیزائن) میں ایسی چیزوں سے پرہیز کرو جو حق تعالیٰ کے ساحت قدس سے غفلت اور دوری کا سبب ہو اور یہ جان لو کہ لباسوں میں، بلکہ تمام ہی عادی امور میں کچھ ایسے ہیں جو انسان کو حق سے غافل اور دنیا میں مشغول کرنے والے ہیں اور تمہارے کمزور دل میں برے اثر ات چھوڑ جاتے ہیں اور خود پسندی، خودنمائی، فیشن پرستی، مفاخرت اور کبر وغرور میں مبتلا کرتے ہیں جو سب کے سب دین کے لئے آفتیں ہیں اور سنگدلی کا سبب۔

جب تم نے ظاہری لباس پہن لیا تو یاد کرو کہ حق تعالیٰ نے اپنی رحمت کے پردہ میں تمہارے گناہوں کو پوشیدہ کر دیا ہے اور جس طرح تم نے ظاہر کو لباس ظاہر سے ملبوس کیا ہے اسی طرح باطنی

---

[۱] مصباح الشریعۃ، الباب السابع، فی اللباس

[۲] سورۂ اعراف، آیت ۲۶

لباس سے غفلت نہ کرو اور اپنے باطن کو سچائی کے لباس سے آراستہ کرو اور چاہئے کہ اپنے باطن کو خوف و بیم کے پردہ میں اور اپنے ظاہر کو اطاعت کے پردہ میں رکھو اور فضل حق تعالیٰ سے عبرت حاصل کرو کہ لباس ظاہر عطا کر کے تم پر لطف و احسان کیا تا کہ اپنے ظاہری عیوب کو اس سے چھپاؤ اور تو بہ و انابت کے دروازے تمہارے لئے کھول دیئے تا کہ باطنی شرمگاہوں یعنی گناہوں اور بداخلاقیوں کو چھپاؤ اور کسی کو رسوا نہ کرو۔ جیسا کہ خدا نے تمہاری ان چیزوں کو ظاہر کر کے تمہیں رسوا نہیں کیا جو اس سے بڑی اور بری ہیں۔ اپنے عیبوں پر نگراں رہو تا کہ اپنی اصلاح آپ کر سکو۔ جو چیزیں تمہاری مدد نہ کریں ان سے درگزر کرو۔ دوسروں کے لئے عمل کرنے میں اپنی عمر کو برباد کرنے سے بچتے رہو کہ تمہارے اعمال کا ثمرہ دوسروں کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جائے اور تمہارے سرمایہ سے دوسرے لوگ تو تجارت کریں اور تم خود کو ہلاکت میں ڈال دو، کیونکہ اپنے گناہوں کو بھول جانا سب سے بڑی سزا ہے جس میں خدا انسان کو دنیا میں مبتلا کر دیتا ہے، کیونکہ اپنے نفس کی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہو رہا ہے اور آخرت میں عذاب کے سب سے بڑے اسباب میں ہے اور جب تک بندہ اطاعت خدا میں مشغول رہتا ہے اور اپنے عیوب کو پہچاننے میں لگا رہتا ہے اور ان چیزوں کو ترک کئے رہتا ہے جو دین خدا میں عیب شمار ہوتی ہیں، اس وقت تک آفات سے محفوظ رہتا ہے اور اللہ کی رحمت کے دریا میں غوطہ زنی کرتا ہے اور حکمت و بیان کے موتی حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے اور جب اپنے گناہوں کو فراموش کر بیٹھتا ہے اور اپنے عیوب سے بے خبر ہو جاتا ہے اور اپنی ہی قوت و طاقت پر اعتماد کئے رہتا ہے تو اس کے نجات پانے کا کوئی سوال نہیں اٹھتا۔

مقصد سوم

مکان مصلّی کے قلبی آداب

اس میں دو فصلیں ہیں

فصل اول

مکان کی معرفت

معلوم رہنا چاہئے کہ سالک الیٰ اللہ کے ارتقائے وجود کے کچھ مقامات ومراتب ہیں جن میں سے ہر ایک کے مخصوص آداب ہیں۔ جب تک سالک میں وہ سب پیدا نہ ہوجائیں گے اس وقت تک اہل معرفت کی نماز کونہیں پاسکتا۔

ان میں ایک طبیعی ارتقاء اورظاہری دنیاوی مرتبہ ہےجس کا مکان مادی زمین ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ: جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِداً وَطَهُوراً۔[1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی قرار دی گئی۔

اس مرتبہ میں سالک کے لئے یہ ادب ہے کہ اپنے قلب کوسمجھائے کہ اس کا عالم غیب سے زمین پرآنا اورفرش خاکی سے کہیں زیادہ ارفع واعلیٰ مقام کو چھوڑ کر یہاں اترنا اوراحسن تقویم سے اسفل سافلین کی طرف واپسی اس لئے ہے تاکہ اختیار سے سلوک الی اللہ کی راہ تلاش کرے اورمعراج قرب کی بلندیوں تک پہنچے اورساحت الٰہی اورمحضر ربوبیت کو پالے جوتخلیق کا مقصد اوراہل اللہ کی آخری منزل مقصود ہے۔

رحم اللّٰہ امرء أعد لنفسہ واستعد لرمسہ وعلم من أین وفی أین وإلی أین؟

سالک کومعلوم رہنا چاہئے کہ وہ اللہ کے دارعزت وکرامت سے آیا ہے۔اللہ کے دارعبادت میں رہ رہا ہے اوراللہ کے دار جزا میں اسے جانا ہے۔ عارف کہتا ہے: (من اللہ وفی اللہ والیٰ اللہ)۔لہٰذا سالک کو چاہئے کہ اپنے آپ کو

---

[1] وسائل الشیعہ، ج ۳، ص ۵۹۳، کتاب الصلاۃ، ابواب مایسجد علیہ، باب ۱، حدیث ۸

سمجھائے اور روح کو یہ ذائقہ چکھائے کہ یہ مادی گھر مسجد عبادت الٰہی ہے اور اسی مقصد کے لئے یہاں آیا ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ.[1]

میں نے جن وانس کونہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ میری عبادت کریں۔

جب دار طبیعت کو مسجد سمجھ لے اور اپنے آپ کو یہاں حالت اعتکاف میں قرار دے لے تو آداب اعتکاف بجالاتے رہنا چاہئے اور ذکر حق کے علاوہ ہر چیز کا روزہ دار رہنا چاہئے اور عبودیت کی مسجد سے باہر نہیں آنا چاہئے سوائے حوائج ضروریہ کے اور جب حوائج ضروریہ سے فراغت حاصل ہو جائے تو پھر مسجد کی طرف واپس جائے اور خود کو غیر حق سے مانوس نہ ہونے دے۔ دوسری چیزوں میں دلچسپی نہ لے کہ یہ آداب اعتکاف کے خلاف ہے۔ عارف باللہ پر اس مقام میں ایسے حالات طاری ہوتے ہیں جو قلم سے ٹھیک ٹھیک بیان نہیں ہو سکتے اور چونکہ مؤلف فطرت انسانیت سے باہر اور مادیات کے تاریک وعمیق دریا میں غرق ہے اور تمام مقامات سالکان وعارفان کی حقیقت اوران کا حق ادا کرنے سے عاجز ہے اس لئے بہت یہی ہے کہ اس سے زیادہ محضر حق وخاصان حق میں خود رسوا نہ کرے اور اس مقام سے آگے بڑھ جائے اور درگاہ مقدس ذوالجلال میں اپنے نفس امارہ کا شکوہ کرے۔ شاید لطف عمیم اور رحمت شاملہ دستگیری کرے اور بقیہ زندگی میں تلافی مافات ہو جائے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ.[2]

پروردگارا! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا پس اگر تم ہم کو نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے۔

مقام دوم: ظاہری اور باطنی قوتوں کا مرتبہ ہے جو نفس کی ملکی اور ملکوتی قوتوں کے لشکر ہیں، جن کا محل طبیعت انسان کی زمین ہے۔ یعنی یہ پیکر وقالب خاکی سالک کے لئے اس مقام کا ادب یہ ہے کہ باطن قلب کو سمجھا جائے کہ زمین طبیعت خود مسجد ربوبیت اور لشکر رحمانی کی سجدہ گاہ ہے۔ لہٰذا مسجد کو ابلیسی تصرفات کی آلودگیوں سے گندہ نہ ہونے دے اور لشکر الٰہی کو شیطان کے اختیار میں نہ دے تا کہ زمین طبیعت نور رب کے اشراق سے روشن ہو جائے اور ساحت

---

[1] سورۂ ذاریات، آیت ۵۶

[2] سورۂ اعراف، آیت ۲۳

ربوبیت سے دوری کی ظلمت و کدورت سے باہر رہے۔ اس کے لئے اپنی ملکی اور ملکوتی قوتوں کو مسجد میں معتکف سمجھے اور جسم کے ساتھ مسجدیت کو نظر میں رکھتے ہوئے معاملہ کرے اور اپنی قوتوں کو یہ سوچتے ہوئے کام میں لائے کہ وہ ساحت الٰہی میں معتکف ہے اور اس مقام پر سالک کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے، کیونکہ اب مسجد کی صفائی اور اس کو پاک رکھنا بھی اسی کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ اس اعتکاف کے آداب میں اس مسجد کی کفالت بھی شامل ہے۔

مقام سوم: قلب سالک کا غیبی مرتبہ ہے جس کا محل نفس کا بند غیبی برزخی ہے جو خود نفس کی تخلیقی قوت سے پیدا ہوتا ہے۔ سالک کے لئے اس مقام کا ادب یہ ہے کہ خود کو یہ محسوس کرادے کہ یہ مقام دوسرے مقامات سے فرق رکھتا ہے اور اس مقام کی محافظت سلوک کے اہم امور میں شامل ہے، کیونکہ قلب ہی معتکفان درگاہ کا امام ہے اور یہ فاسد ہوجائے تو سب فاسد ہوجائے گا۔

اذا فسد العالم، فسد العالم.[1]

جب عالم فاسد ہوجائے تو عالم فاسد ہوجاتا ہے۔

قلب عالم، عالم صغیر ہے اور عالم قلب، عالم کبیر ہے اور اس مقام پر سالک کی ذمہ داری ہے پہلے دو مکامات سے بہت زیادہ ہوجاتی ہے کیونکہ مسجد کی عمیر بھی اب سالک ہی کی ذمہ داری ہے اور ممکن ہے کہ خدانخواستہ اس کی مسجد، مسجد ضرار کی طرح کفر اور مسلمانوں کے درمیان تفریق بن جائے، لیکن سالک جب مسجد ملکوتی الٰہی کی تعمیر تصرف رحمانی کے ہاتھوں اور ولایت مآبی بازوؤں کی قوت سے کرے گا اور خود اس مسجد کو تمام شیطانی آلائشوں اور تصرفات سے پاک رکھے گا اور اس میں معتکف ہو جائے گا تو اب اس کے لئے لازم ہوگا کہ کوشش کرے کہ خود کو اس مسجد سے نکال کر صاحب مسجد کے ساحت قدس میں معتکف کرے اور جب خود سے علاقہ ختم ہو جائے اور خودی کی قید سے نکل آئے تو خود منزل گاہ حق بن جائے گا، بلکہ مسجد ربوبیت ہو جائے گا اور حق تجلیات فعلی، پھر تجلیات اسمائیہ اور پھر تجلیات ذاتیہ سے اس مسجد میں اپنی ثنا کرے گا اور یہ ثنا (نماز رب) ہے۔ وہ کہتا ہے:

سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ.[2]

سالک الی اللہ کے لئے تمام ہی مقامات میں ایک اور اہم ذمہ داری ہے جس سے غفلت کسی طرح جائز نہیں ہے، بلکہ سلوک کی غرض و غایت اور اس کا لب لباب یہی ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام حالات و مقامات میں ذکر حق سے غافل

[1] درسوگ امیر آزادی (ترجمہ مثیر الأحزان) / 44 / 10 - توجہ دادن بہ رسالت علم و عالم..... ص: 43

[2] الفقه المنسوب إلى الإمام الرضا عليه السلام / 137 / 11 باب صلاة الليل

نہ ہو اور تمام مناسک وعبادات سے اللہ کی معرفت حاصل کرے اور تمام مظاہر میں خدا کی جستجو کرتا رہے اور اس کی نعمت و کرامت کو صحبت وخلوت کسی بھی حال میں ترک نہ کرے کہ یہ استدراج کی ایک نوع ہے۔

الغرض، معرفت خدا ہی کو عبادات ومناسک کی روح اور انکا باطن سمجھے اور انہیں میں محبوب کو تلاش کرے تا کہ عاشقیت اور محبوبیت کا بیج دل میں مستحکم ہو جائے اور عنایات خفی اور واردات سری ہوتی رہیں۔

وصل:

فی المصباح الشریعة.قال الصادق علیہ السلام:

إِذَا بَلَغْتَ بَابَ الْمَسْجِدِ فَاعْلَمْ أَنَّكَ قَدْ قَصَدْتَ بَابَ مَلِكٍ عَظِيمٍ لَا يَطَأُ بِسَاطَهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ وَ لَا يُؤْذَنُ لِمُجَالَسَتِهِ إِلَّا الصِّدِّيقُونَ فَهَبِ الْقُدُومَ إِلَى بِسَاطِ هَيْبَةِ الْمَلِكِ فَإِنَّكَ عَلَى خَطَرٍ عَظِيمٍ إِنْ غَفَلْتَ.

فَاعْلَمْ أَنَّهُ قَادِرٌ عَلَى مَا يَشَاءُ مِنَ الْعَدْلِ وَ الْفَضْلِ مَعَكَ وَ بِكَ فَإِنْ عَطَفَ عَلَيْكَ بِرَحْمَتِهِ وَ فَضْلِهِ قَبِلَ مِنْكَ يَسِيرَ الطَّاعَةِ وَ أَجْزَلَ لَكَ عَلَيْهَا ثَوَاباً كَثِيراً.

وَ إِنْ طَالَبَكَ بِاسْتِحْقَاقِ الصِّدْقِ وَ الْإِخْلَاصِ عَدْلًا بِكَ حَجَبَكَ وَ رَدَّ طَاعَتَكَ وَ إِنْ كَثُرَتْ وَ هُوَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ وَ اعْتَرِفْ بِعَجْزِكَ وَ تَقْصِيرِكَ وَ انْكِسَارِكَ وَ فَقْرِكَ بَيْنَ يَدَيْهِ

فَإِنَّكَ قَدْ تَوَجَّهْتَ لِلْعِبَادَةِ لَهُ وَ الْمُؤَانَسَةِ بِهِ وَ اعْرِضْ أَسْرَارَكَ عَلَيْهِ وَ لْتَعْلَمْ أَنَّهُ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ أَسْرَارُ الْخَلَائِقِ أَجْمَعِينَ

وَ عَلَانِيَتُهُمْ وَ كُنْ كَأَفْقَرِ عِبَادِهِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ أَخْلِ قَلْبَكَ عَنْ كُلِّ شَاغِلٍ يَحْجُبُكَ عَنْ رَبِّكَ فَإِنَّهُ لَا يَقْبَلُ إِلَّا الْأَطْهَرَ الْأَخْلَصَ انْظُرْ مِنْ أَيِّ دِيوَانٍ يُخْرَجُ اسْمُكَ فَإِنْ ذُقْتَ حَلَاوَةَ مُنَاجَاتِهِ وَ لَذِيذَ مُخَاطَبَاتِهِ وَ شَرِبْتَ بِكَأْسِ رَحْمَتِهِ وَ كَرَامَاتِهِ مِنْ حُسْنِ إِقْبَالِهِ عَلَيْكَ وَ إِجَابَتِهِ فَقَدْ صَلَحْتَ لِخِدْمَتِهِ

فَادْخُلْ فَلَكَ الْإِذْنُ وَ الْأَمَانُ وَ إِلَّا فَقِفْ وُقُوفَ مَنْ قَدِ انْقَطَعَ عَنْهُ الْحِيَلُ وَ قَصُرَ عَنْهُ الْأَمَلُ وَ قَضَى عَلَيْهِ الْأَجَلُ

فَإِنْ عَلِمَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ قَلْبِكَ صِدْقَ الِالْتِجَاءِ إِلَيْهِ نَظَرَ إِلَيْكَ بِعَيْنِ الرَّأْفَةِ وَالرَّحْمَةِ وَاللُّطْفِ وَوَفَّقَكَ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضَى

فَإِنَّهُ كَرِيمٌ يُحِبُّ الْكَرَامَةَ لِعِبَادِهِ الْمُضْطَرِّينَ إِلَيْهِ الْمُحْتَرِقِينَ عَلَى بَابِهِ لِطَلَبِ مَرْضَاتِهِ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى- أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ [1]

اور چونکہ یہ کلام شریف ایک جامع دستور ہے اصحاب معرفت اور ارباب سلوک کے لئے، اس لئے میں نے پورا کا پورا نقل کر دیا ہے تاکہ اس میں غور وفکر سے کوئی حال حاصل ہو۔

ارشاد امامؑ کا خلاصہ یہ ہے کہ

جب تم مسجد کے دروازے پر پہنچو تو ہوش رکھو کہ تم کس بارگاہ میں آئے ہو اور کون سی درگاہ کا ارادہ رکھتے ہو؟

نظر میں رکھو کہ تم اس عظیم الشان بارگاہ میں پہنچے ہو جس کے تقرب کی بساط تک کوئی قدم نہیں اٹھا تا مگر وہی جوار جاس عالم طبیعت اور اخباث شیطانیہ سے پاک و پاکیزہ ہو اور اس کے پاس جانے کی کسی کو اجازت نہیں ملتی مگر انہیں کو نہوں نے صدق وصفا وخلوص کے ساتھ ہر قسم کے شرک ظاہر و باطن سے دور ہو کر اس کی طرف قدم اٹھایا ہو۔ لہذا عظمت موقف اور ہیبت عزت وجلال الٰہی کو نظر میں رکھو۔ اس کے بعد بارگاہ قدس اور بساط انس پر قدم رکھو۔ کیونکہ تم ایک عظیم حقیقی خطرہ سے دوچار ہو۔

باخبر باش کہ سرمی شکند دیوارش۔ [2]

اس کی بارگاہ میں وارد ہوئے ہو جو قادر مطلق ہے اور جو حکم چاہتا ہے اپنی مملکت میں جاری کرتا ہے۔ اگر

---

[1] مصباح الشریعہ، الباب الثانی عشر، فی دخول المسجد، اور حدیث کے آخر میں، سورۂ نمل: ۶۲

[2] ای کہ در کوچہ معشوقہ ما می گزری
باخبر (پر حذر) باش کہ سرمی شکند دیوارش
میرے محبوب کے کوچہ سے گزرنا
لیکن ہوش رکھنا کہ نہ دیوار سے سر ٹکرا جائے
حافظ شیرازیؒ

عدالت کا سلوک کرتا ہے، حساب میں مباحثہ کرتا ہے اور صدق وصفا کا مطالبہ کرتا ہے تو تم مجوب درگاہ ہو جاؤ گے۔ تمہاری عبادتیں کتنی ہی زیادہ ہوں رد ہو جائیں گی اور اگر اپنے فضل وکرم کے ساتھ نظر کرتا ہے تو تمہاری معمولی عبادت کو بھی قبول کر لے گا اور بہت زیادہ ثواب عطا کرے گا۔

اب جب تم عظمت موقف کو سمجھ چکے تو اپنے عجز وتقصیر اور فقر واحتیاج کا اعتراف کرو اور جب اس کی عبادت کی طرف متوجہ ہو چکے اور اس سے موانست کا خیال دل میں پیدا کر چکے تو اپنے دل میں غیر کا اشتغال وخیال نہ آنے دے جو جمال جمیل سے مجوب کر دیتا ہے، کیونکہ غیر سے اشتعال آلودگی اور شرک ہے اور خداوند عالم ہرگز قبول نہیں فرماتا مگر قلب پاکیزہ وخالص کو اور جب اپنے میں حق سے مناجات کی حلاوت اور ذکر خدا کی شیرینی محسوس کرو اور اس کے رحمت وکرامت کے ساغر سے سیراب ہو جاؤ اور حسن اقبال واجابت اپنے میں دیکھو تو سمجھ لو کہ اس کی بارگاہ مقدس کے لائق ہو گئے اور اب محضر قدس میں جا سکتے ہو، کیونکہ تم کو اذن مل گیا اور امان حاصل ہو چکی اور اگر اپنے میں یہ حالات نظر نہ آئیں تو اس کی درگاہ رحمت میں ٹھہرے رہو اس مضطر ومجبور کی طرح جس کے لئے چارہ وتدبیر کی راہیں بند ہیں اور وہ آرزوئیں پوری ہونے سے مایوس اور موت سے نزدیک ہو چکا ہے۔ جب اپنی ذلت ومسکنت کو پیش کرو گے اور اس کی درگاہ میں پناہ حاصل کر لو گے اور وہ تمہارے اندر صدق وصفا دیکھے گا تو رحمت ومہربانی کی نظر سے تم کو نوازے گا اور تمہاری دستگیری کرے گا اور تم کو اپنی رضا حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا، کیونکہ وہ ذات مقدس صاحب کرم ہے اور اپنے مجبور بندوں کے لئے کرامت کو دوست رکھتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ [1]

کون ہے جو مضطر وبے قرار کی دعا وپکار کو قبول کرتا ہے۔ جب وہ اسے پکارتا ہے؟

---

[1] سورۂ نمل: ٦٢

فصل دوم

اباحت مکان کے بعض آداب

سالک الی اللہ جب مکان کے مراتب کو مقامات ونشئات وجودیہ کی مناسبت سے سمجھ چکا تو ان کی اباحت کے آداب بجالانے کی کوشش کرنا چاہئے تاکہ اس کی نماز شیطان کے غاصبانہ تصرفات سے محفوظ رہے۔ اس کے لئے پہلے عبادت و بندگی کے آداب صوری بجالائے اور عالم ذر اور یوم میثاق میں خدا سے کئے ہوئے اپنے عہد کو پورا کرے اور ابلیس کے دست تصرف کو اپنے ملک طبیعت سے دور کرے تاکہ صاحب خانہ سے علاقہ اور محبت پیدا کر سکے اور عالم طبیعت میں بندہ کے تصرفات غاصبانہ نہ رہ جائیں۔ بعض اہل ذوق کا کہنا ہے کہ آیہ شریفہ "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۚ اُحِلَّتْ لَکُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ"[1] (اے ایمان والو! جو عہد و پیمان تم نے کئے ہیں انہیں پورا کرو، چوپائے تمہارے لئے حلال کئے گئے ہیں) کے معنی باطن کیا عتبار سے یہ ہیں کہ چوپایوں کا حلال ہونا عہد و لایت پورا کرنے پر موقوف ہے اور احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے کہ ساری زمین امامؑ کی ہے اور ان کے دوستوں کے علاوہ سب اس پر غاصبانہ قبضہ کئے ہوئے ہیں۔[2]

اور اہل معرفت ولی امر کو وجود کے تمام ممالک اور غیب وشہود کے تمام مدارج کا مالک سمجھتے ہیں اور بے اذن امامؑ اس پر کسی کے تصرف کو جائز نہیں سمجھتے۔

---

[1] سورۂ مائدہ، آیت ۱

[2] اصول کافی، ج ۲، ص ۲۶۶، کتاب الحجہ، روایات، باب ان الارض کلها للامامؑ

مؤلف کہتا ہے: ابلیس ملعون، اللہ کا دشمن ہے اوراس کا تصرف اوراس کے علاوہ کسی کا بھی ابلیسی تصرف عالم طبیعت پر غاصبانہ اورظالمانہ ہے۔تو اگر سالک الی اللہ خود کو اس ملعون کے تصرفات سے باہر نکال لےتو اسکے تصرفات رحمانی ہو جائیں گے۔مکان،لباس، غذا اورنکاح مباح اور پاک ہوجائے گا اورجس حد تک بھی تصرف ابلیس ہوگا اسی قدر حلیت سے باہر ہوگا اورشرک شیطان کی اس میں دست اندازی شامل ہوگی۔اب اگر انسان کے ظاہری اعضاء شیطانی تصرف میں ہوئے تو یہ اعضاء ابلیسی اعضاء ہوں گے اورمملکت حق کے غاصب۔اسی طرح مسجد بدن میں ملکوتی قوتوں کا رہنا اس وقت مباح اورعادلانہ ہے جب یہ قوتیں رحمانی لشکر میں ہوں۔ورنہ ابلیسی لشکر کو بدن انسانی کی مملکت میں جوحق تعالیٰ کی ملکیت ہے تصرف کا حق نہیں ہوسکتا،لیکن جب شیطان کے دست تصرف کو مملکت قلب سے جوحق تعالیٰ کی خاص منزل گاہ ہے روک دے گا اوراپنے قلب کوتجلیات حق کے لئے خالص کردے گا اورغیر حق کو جو ابلیس کا راستہ ہے دل میں راہ نہ دے گا تو اس کے لئے ظاہری و باطنی مسجدیں اورملکی وملکوتی مکان سب مباح ہو جائیں گے اوراس کی نماز اہل معرت کی نماز ہوجائے گی۔اس موازنہ سے طہارت مسجد بھی معلوم ہوگئی۔

قَالَ الْاِمَامُ الصَّادِقُ علیہ السلام:
ثَلاثٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ فَهُوَ مُنَافِقٌ وَّاِنْ صَامَ وَ
صَلّٰى مَنْ اِذَا حَدَّثَ كَذِبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ
وَاِذَا اُئْتُمِنَ خَانَ۔ [1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:
جس کے اندر یہ تین (۳) صفتیں موجود ہوں وہ منافق ہے
چاہے وہ روزہ رکھے اور نماز بھی پڑھے وہ یہ ہیں:
۱۔ کچھ کہے تو جھوٹ بولے۔
۲۔ جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔
۳۔ جب اس پر اعتماد کیا جائے تو امانت میں خیانت کرے۔

[1] تحف العقول: ص۲۲۹

مقصد چہارم

وقت کے قلبی آداب

اور اس میں دو فصلیں ہیں

فصل اول

اصحاب معرفت اوراوقات عبادت

معلوم رہے کہ اہل معرفت اوراصحاب مراقبہ مقام مقدس ربوبیت کی معرفت کے بقدر اور مناجات باری تعالیٰ کے شوق کی مناسبت سے اوقات نماز کی جو مناجات کا میقات اور حق سے ملاقات کی وعدہ گاہ ہے، مراعات و محافظت کرتے آئے ہیں۔

وہ لوگ جو جمال جمیل میں مجذوب اور حسن ازل کے چاہنے والے ہیں اور جام محبت سے سرمست اور پیمانہ الست سے بے خود ہیں، دونوں جہانوں سے چھٹکارہ حاصل کر کے اور اقالیم وجود سے صرف نظر کر کے جمال الٰہی کی عزت قدس سے لو لگائے ہوئے ہیں۔

وہ ہر لمحہ محضر قدس ہیں اور ذکر وفکر اور مشاہدہ و مراقبت سے دور نہیں رہتے۔

اور وہ لوگ جو اصحاب معارف اور ارباب فضائل ہیں

اور شریف النفس اور کریم الطبع ہیں

مناجات حق کے مقابلہ میں کسی چیز کو اختیار نہیں کرتے

اور خلوت و مناجات حق سے خود حق کے طالب ہیں

اور سارے عز و شرف اور فضیلت و معرفت کو ذکر الٰہی اور مناجات حق میں پوشیدہ جانتے ہیں۔

یہ حضرات اگر عالم کی طرف دیکھتے اور کونین پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کی نظر عارفانہ نظر ہوتی ہے اور عالم میں حق کی جستجو وطلب کرتے ہیں۔ وہ تمام موجودات کو جلوۂ حق اور تجلی جمال جمیل سمجھتے ہیں۔

عاشقم برہمہ عالم کی ہمہ عالم ازاوست [1]

یہ لوگ جان ودل سے اوقات نماز کی پابندی کرتے ہیں اور حق سے مناجات کے وقت کا انتظار کیا کرتے ہیں اورخود کو میقات حق میں حاضر ہونے کے لئے تیار رکھتے ہیں۔ ان کا دل حاضر ہے اور محضر ہی سے حاضر کو طلب کرتے ہیں اور حاضر کے لئے محضر کا احترام کرتے ہیں۔ عبودیت ان کے نزدیک کامل مطلق سے معاشرت ومراودت کا نام ہے۔ عبادت کی طرف ان کا اشتیاق اسی وجہ سے ہے۔

اوروہ لوگ جوغیب اور عالم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور کرامات حق تعالیٰ کے شیفتہ ہیں، وہ جنت کی ابدی نعمتوں اوردائمی لذتوں اورمسرتوں میں دنیا کی محدود لذتوں اور اس کی ناقص اوروقتی مسرتوں کا شائبہ نہیں پیدا ہونے دیتے۔ نیز عبادات کے وقت، جونعمات آخرت کا بیج ہے، اپنے دلوں کو حاضر رکھتے ہیں اور ذوق وشوق کے ساتھ حکم کی تعمیل کرتے ہیں اوراوقات نماز کا جونتائج کے حصول اورذخائر آخرت جمع کرنے کا وقت ہے، انتظار کرتے رہتے ہیں اورنعمات جاودانی کے مقابلہ میں کسی اور چیز کو اختیار نہیں کرتے۔ یہ حضرات بھی، چونکہ انکا قلب عالم غیب سے باخبر ہے اور آخرت کی نعمات جاودانی اور لذات دائمی پر دل سے ایمان رکھتے ہیں، اس لئے وقت کو غنیمت سمجھتے ہیں اور تضیع اوقات نہیں کرتے۔

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ.

یہی لوگ بہشتی ہیں جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

یہ سب گروہ جن کا ذکر کیا گیا اور بعض دوسرے گروہ جن کا ذکر نہیں کیا گیا ہے ان کے لئے ان کے مراتب ومعارف کے اعتبار سے عبادتیں خود لذتیں ہیں اور تکلیفات شرعیہ سے وہ کسی طرح بھی کلفت نہیں محسوس کرتے، لیکن ہم بے چارے آرزوؤں اورتمناؤں میں گرفتار اورنفسانی خواہشات کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے اورعالم طبیعت کے گہرے تاریک سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں اس لئے عبادات الٰہیہ کو مصیبت وکلفت اور قاضی الحاجات سے مناجات کو

---

[1] بہ جہان خرم از آنم کہ جہان خرم از اوست
عاشقم برہمہ عالم کہ ہمہ عالم از اوست
سعدیؒ
میں طرب میں ہوں کہ عالم میں طرب اس کا ہے
اس لئے سب پہ میں عاشق ہو کہ سب اس کا ہے

بار سر اور زحمت سمجھتے ہیں، کیونکہ نہ ہماری روح کے داغ میں بوئے عشق ومحبت پہنچی ہے اور نہ ہمارے کام و دہان قلب نے عرفان وفضیلت کا ذائقہ چکھا ہے۔ دنیا کے سواء جو جانوروں کی چارگاہ ہے، کسی چیز سے دلچسپی نہیں رکھتے اور دار طبیعت کے سواء جو ظالموں کی منزل گاہ ہے، کسی شے سے علاقہ نہیں رکھتے۔ ہمارے قلب کی چشم بصیرت جمال جمیل کو دیکھنے سے عاجز ہے اور روح ذوق عرفان کا ذائقہ چکھنے سے محروم ہے۔

ہاں! حلقہ اہل معرفت کے میر محفل اور اصحاب محبت وحقیقت کے سید وسردار کا کہنا ہے کہ

أَبِيتُ عِنْدَ رَبِّي وَ يُطْعِمُنِي وَ يَسْقِينِي [۱]

میں اپنے پروردگار کے پاس شب بسر کرتا ہوں، وہی مجھے سیر کرتا ہے اور وہی سیراب کرتا ہے۔

خدایا! یہ کیسی شب بسری تھی جو خلوت انس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تیرے ساتھ حاصل تھی اور کون سی آب و غذا تھی جو تو نے اپنے ہاتھ سے اس ذات عظیم کو عطا کر کے ہر شے سے بے نیاز کر دیا۔ اسی ذات مقدس کو سزاوار ہے کہ فرمائیں

لِي مَعَ اللَّهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُهُ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَ لَا نَبِيٌّ مُرْسَل [۲]

میرے لئے خدا کے ساتھ ایک وقت ہے جس تک نہ کوئی ملک مقرب پہنچ سکتا ہے نہ نبی مرسل۔

کیا یہ وقت عالم دنیا و آخرت کے اوقات میں سے ہے؟ یا خلوت گاہ قاب قوسین وطرح الکونین (معراج) سے ہے؟ چالیس روز موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے صوم موسوی رکھا تب میقات حق میں پہنچے اور خدا نے فرمایا:

فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً. [۳]

پس ان موسیٰؑ کی وعدہ گاہ کا وقت چالیس روز کا پورا ہو گیا۔

---

[۱] مناقب آل أبی طالب علیہم السلام (لابن شہر آشوب) / ج 1 / 214 / فصل فی اللطائف ..... ص: 213۔ صحیح بخاری، ج ۴، کتاب التمنی، ص ۲۵۱، مولانا رومی مثنوی میں کہتے ہیں:

چوں، ابیت عند ربی، فاش شد
یطعم و سیقی، پے این آش شد

[۲] غوالی اللئالی، ج ۴، ص ۷، حدیث ۷، بحار الانوار، ج ۱۸، ص ۳۶۰، کتاب تاریخ النبیؐ، باب اثبات المعراج

[۳] سورۂ اعراف، آیت ۱۴۲

www.kitabmart.in

اس کے باوجود میقات محمدیؐ تک نہ پہنچ سکے اور وقت احمدیؐ سے تناسب پیدا نہ کر سکے۔ موسیٰ علیہ السلام کو میعاد گاہ میں "فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ"[1] (اپنی نعلین اتار دو) کا حکم ہوا اور ان کے لئے (محبت اہل) کو نعلین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مگر رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبت علیؑ کا حکم دیا گیا۔!!

میرے قلب میں اس سر الٰہی کی ایک ایسی چنگاری روشن ہے جس کو میں بیان نہیں کر سکتا۔ آپ خود ہی اس اجمال سے تفصیل کو پڑھ لیں۔

---

[1] سورہ طٰہٰ، آیت ۱۲